شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
جولائی ۲۰۱۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی پاکستان
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بیادِ بانئ محترمؒ
- ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشن
- "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا!"

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

رجوع الی القرآن کورسز (پارٹ I اور II)

میں داخلے جاری ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ طلبہ کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کورسز کو دو دو سمسٹرز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی (منتخب دروس قرآن)
5. تجوید وحفظ
6. مطالعۂ حدیث
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

نوٹ:

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

- اس سال کلاسز کا آغاز 21 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 20 ستمبر کو صبح دس بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

کورسز کے تفصیلی پراسپکٹس درج ذیل پتہ سے حاصل کریں:

ناظم شعبہ تدریس
قرآن اکیڈمی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : 59

شمارہ : 7

شعبان المعظم 1431ھ

جولائی 2010ء

فی شمارہ 25/-

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد

مدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 3

ہوئے تم دوست جس کے......! — ایوب بیگ مرزا

بیان القرآن — 5

سورۃ المائدۃ (آیات ۲۰ تا ۴۳) — ڈاکٹر اسرار احمد

شہادتِ حق — 24

دعوت بالقرآن۔ اعجازِ مسیحائی — محمد رشید عمر

بیاد بانیٔ محترمؒ — 33

○ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشن — انجینئر نوید احمد

○ ''عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا'' — قاضی عبد القادر — 53

تعمیر سیرت — 69

مؤمن کا جذبۂ شکر وسپاس — عتیق الرحمٰن صدیقی

تذکیر وموعظت — 78

مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب — حافظ محمد مشتاق ربانی

اسلامی معاشرت — 83

زندوں پر مُردوں کے حقوق — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سیرت و سوانح — 93

امام ابنِ جوزیؒ — عبد الرشید عراقی

❁ ❁ ❁

3

عرضِ احوال

ہوئے تم دوست جس کے.....!

دشمن اگر کھلا دشمن ہو اور سامنے سے وار کرے تو اُس کا مقابلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ فرد ہو یا ریاست' ایسے دشمن سے ہر وقت چوکنا رہا جاتا ہے اور اُس کی سرگرمیوں اور حرکات وسکنات پر نگاہ رکھی جاتی ہے' لیکن دشمن اگر دوست کی صورت میں ہو اور کاندھے سے کاندھا ملائے کھڑا ہو اور ظاہراً دوستی ومحبت کا زبردست دعوے دار ہو' لیکن جب موقع پائے پیٹھ میں چھرا گھونپ دے تو ایسا دوست انتہائی خطرناک اور موجبِ ہلاکت ثابت ہوتا ہے۔ پاک امریکہ تعلقات کی تاریخ کا جائزہ لیں' امریکہ ہمیشہ دوستی کے روپ میں ہم سے بدترین دشمنی کا مظاہرہ کرتا رہا ہے۔ پاک بھارت تعلقات کے حوالہ سے مسئلہ کشمیر ہو یا پانی کا مسئلہ' امریکہ نے زبانی کلامی پاکستان کی حمایت کی لیکن عملی طور پر ہمیشہ بھارت کا ساتھ دیا۔

قدرت اللہ شہاب اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''شہاب نامہ'' میں رقم طراز ہیں کہ جب میں اپنی اسلام پسندی کی وجہ سے امریکہ کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا اور ایوب خان پر زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ مجھے حکومتی امور سے الگ کر دیا جائے تو ایوب خان نے مجھے مشورہ دیا کہ امریکی قہر اور غضب سے بچنے کے لیے نہ صرف حکومتی امور سے الگ تھلگ ہو جاؤں بلکہ کچھ عرصہ کے لیے پاکستان سے باہر چلا جاؤں۔ لہٰذا مجھے ہالینڈ میں پاکستان کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ وہاں میری دوستی مشرقی یورپ کے ایک ملک کے سفیر سے ہو گئی۔ ایک دن شام کی واک کے دوران وہ مجھ سے کہنے لگے کہ سوویت یونین اور امریکہ ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہیں' لیکن بعض معاملات میں وہ نہ صرف باہمی مشورہ کرتے ہیں بلکہ ایک دوسرے سے عملی تعاون بھی کرتے ہیں' خصوصاً پاکستان کے حوالہ سے وہ ایک طے شدہ پالیسی پر گامزن ہیں۔ قدرت اللہ شہاب کہتے ہیں میں پاکستان کے نام سے چونکا اور پوچھا کہ پاکستان کے حوالہ سے ان کی طے شدہ پالیسی کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ دونوں سپر قوتیں یہ سمجھتی ہیں کہ پاکستان کی فوج بڑی پیشہ ورانہ صلاحیت کی حامل ہے اور جنگی استعداد کے حوالہ سے بڑی چاق وچوبند ہے۔ دونوں سپر طاقتیں پاکستانی فوج کی یہ خوبیاں اور صلاحیت ختم کرنے پر متفق ہیں اور اس حوالہ سے ایک پلان پر کام کر رہی ہیں۔ میں نے پوچھا وہ

پلان کیا ہے؟ تو وہ مسکرا کر کہنے لگا پلاننگ یہ ہے کہ پاکستان میں فوج کو بار بار اقتدار میں لایا جائے۔ اقتدار کی چاٹ اس کی مذکورہ بالا صلاحیتوں کو ختم کر دے گی!

اندازہ کریں یہ بات کتنی درست ثابت ہوئی ہے۔ چار مرتبہ طویل مدت کے لیے پاکستان میں فوج کو اقتدار میں لایا جا چکا ہے' یہاں تک کہ اب اس کو اس لائن پر لگا دیا گیا ہے کہ وہ اپنوں کا خون بہانے پر فخر کا اظہار کر رہی ہے۔ سوویت یونین تو ہمارا کھلا دشمن تھا' جبکہ امریکہ کے ہم اُس وقت بھی سیٹو اور سینٹو میں اتحادی تھے۔ ہمارے اس دوست نما دشمن نے ہمیں ہر موقع پر دھوکا دیا۔ ۱۹۶۲ء میں بھارت چین جنگ کے دوران جب پاکستان کی افواج کو کشمیر میں واک اوور مل سکتا تھا امریکہ نے پاکستان کو مذاکرات کا لالی پاپ دے کر فوجی کارروائی سے روک دیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کا اتحادی ہونے کی حیثیت سے امریکہ کا ہماری مدد کرنا لازم تھا' لیکن مدد کرنے کی بجائے اس نے پاکستان کی فوج کو فالتو پرزوں کی سپلائی روک کرنا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے حصے بخرے کرنے میں امریکہ نے کلیدی رول ادا کیا تھا۔ اس حقیقت کو اب امریکی حکومت اور تھنک ٹینک بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تو امریکہ نے پاکستان کی اسلامی جماعتوں اور مجاہدین کو اپنے مقصد کے لیے بھرپور طور پر استعمال کیا اور حصولِ مقصد کے بعد انہیں اسی حال میں چھوڑ کر خود کنارہ کشی اختیار کر لی۔

آج پھر دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں امریکہ افغانیوں اور قبائلی مسلمانوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ ہمارے قبائلی بھائی جنہوں نے ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں بھارتی افواج کو دندان شکن شکست دے کر کشمیر کا وہ حصہ حاصل کیا تھا جسے آج آزاد کشمیر کہا جاتا ہے' جن قبائلیوں نے ہمیشہ دفاعِ پاکستان کی جنگ افواجِ پاکستان کے شانہ بشانہ لڑی' اِن قبائلیوں سے قائداعظم نے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان کبھی یہاں اپنی فوج داخل نہیں کرے گا۔ ڈکٹیٹر پرویز مشرف نے قائداعظم کے وعدہ سے انحراف کرتے ہوئے فوج کو وہاں داخل کر کے امریکی خواہش پر مسلمان کو مسلمان سے لڑوا دیا۔ امریکہ نے دھونس اور عیاری سے کام لیتے ہوئے ہماری فوج کو ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے جس سے بظاہر نکلنا دشوار ہی نہیں ناممکن نظر آتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس بدترین دشمن سے بار بار دھوکہ کھانے کے باوجود ہماری حکومتیں اس عیار دشمن کے جال میں پھنس جاتی ہیں اور دوستی کے دعوؤں کو حقیقی سمجھنے لگتی ہیں۔ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے آغاز ہی میں بش کے منہ سے یہ سچی بات نکل گئی تھی کہ یہ ایک صلیبی جنگ ہے۔ حقیقت میں یہ اسلام کے خلاف ایک کھلی جنگ ہے' جس میں بدقسمتی سے ہمارے حکمران اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لالچ میں اس دشمنِ اسلام کا ساتھ دے رہے ہیں۔ عوام کا فرض ہے کہ وہ اُٹھیں اور حکومت کو باور کرا دیں کہ اگر

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ المائدۃ

آیات ۲۰ تا ۲۶

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ
اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝
یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا
دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا
عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ
اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا
مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی
الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ ع ۳ ۸

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ آ رہا ہے جب آپؑ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے صحرائے سینا میں رہے آپؑ کو کوہِ طور پر بلایا گیا اور تورات دی گئی۔ اس کے بعد انہیں حکم ہوا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ

جنگ کرو اور انہیں وہاں سے نکالو' کیونکہ یہ ارضِ مقدس تمہارے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ اس لیے کہ ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تعلق اس خطّہ سے تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے تو انہیں حکم ہوا کہ اب جاؤ' اپنے اصل گھر (ارضِ فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت کے اندر بے زاری کی جو کیفیت پیدا ہوئی' اس کی شدت یہاں نظر آتی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رسول اپنی اُمت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کی مانند ہے۔ جیسے اللہ رؤف بھی ہے' وَدُود بھی' لیکن ساتھ ہی وہ عزیزٌ ذُوانتقام بھی ہے (اللہ کی یہ دونوں شانیں ایک ساتھ ہیں) اسی طرح رسول کا معاملہ ہے کہ رسول شفیق اور رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ غیور بھی ہوتا ہے۔ نبی کے دل میں دین کی غیرت اپنے پیروکاروں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا قوم کے منفی ردِّعمل پر نبی کی بے زاری لازمی ہے۔

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ سمجھنے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پے در پے معجزات کے ظہور نے تساہل پسند بنا دیا تھا۔ پیاس لگی تو چٹان پر موسیٰ علیہ السلام کی ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بھوک محسوس ہوئی تو من وسلویٰ نازل ہو گیا' دھوپ نے ستایا تو اَبر کا سائبان ساتھ ساتھ چل پڑا' سمندر راستے میں آیا تو عصا کی ضرب سے راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بگڑ گئے' آرام طلب ہو گئے' مشکل کی ہر گھڑی میں انھیں معجزے کے ظہور کی عادت سی پڑ گئی اور جنگ کے موقع پر دشمن کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا' باوجودیکہ اُن کے کم از کم ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی حکمت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں اس قسم کا کوئی معجزہ نظر نہیں آتا' بلکہ یہ نقشہ نظر آتا ہے کہ مسلمانو! تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی جان دے کر' ایثار و قربانی سے' محنت و مشقت سے' بھوک جھیل کر' فاقے برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ایثار و قربانی' جرأت و بہادری اور بلند ہمتی نظر آتی ہے' جس کی واضح مثال غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَقُوْلُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لِمُوْسٰى

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ وَلٰكِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ، فَكَاَنَّهٗ سُرِّيَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (۱)

''یارسول اللہ! ہم آپؐ سے بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم کہیں گے) آپؐ قدم بڑھایئے ہم آپؐ کے ساتھ ہیں! اس پر گویا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا ازالہ ہو گیا۔''

آیت ۲۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے''

﴿يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے''

﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ﴾ ''جب اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے''

یعنی خود میں نبی ہوں' میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ حضرت یوسف' حضرت یعقوب' حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سب نبی تھے۔

﴿وَّجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ ''اور تمہیں بادشاہ بنایا''

اگرچہ اُس وقت تک اُن کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں اللہ تعالیٰ زمین کی سلطنت اور خلافت عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار کی طرف اشارہ ہے' وہ اگرچہ مصر کے بادشاہ تو نہیں تھے لیکن بادشاہوں کے بھی مخدوم و ممدوح تھے اور بنی اسرائیل کو مصر میں پیرزادوں کا سا عزّت و احترام حاصل ہو گیا تھا۔

﴿وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰﴾ ''اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

آیت ۲۱ ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ''(تو) اے میری قوم کے لوگو! اب داخل ہو جاؤ اس ارضِ مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب قوله فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

لیے لکھ دی ہے''

اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ زمین تمہیں ملے گی۔

﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ﴾ ''اور اپنی پیٹھوں کے بَل واپس نہ پھرنا''

﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۱﴾ ''(اگر ایسا کرو گے) تو ناکام و نامراد پلٹو گے۔''

آیت ۲۲ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ﴾ ''انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں''

ہم فلسطین میں کیسے داخل ہو جائیں؟ یہاں تو جو لوگ آباد ہیں وہ بڑے طاقت ور، گراں ڈیل اور زبردست ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

﴿وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ﴾ ''اور ہم اس (سرزمین) میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔''

﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲﴾ ''ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔''

آیت ۲۳ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ''کہا دو اشخاص نے جو (اللہ کا) خوف رکھنے والوں میں سے تھے''

﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ ''اور اللہ نے بھی ان دونوں پر انعام کیا تھا''

یہ دو اشخاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور قریبی حواری تھے۔ ایک تو یوشع بن نون تھے، جو حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے اور گمانِ غالب ہے کہ وہ نبی بھی تھے، جبکہ دوسرے شخص کالب بن یفنا تھے۔ ان دونوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا چاہا کہ ہمت کرو:

﴿ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ﴾ ''تم ان کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاؤ''

تم لوگ ایک دفعہ دروازے میں گھس کر ان کا سامنا تو کرو۔

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ﴾ ''اور جب تم اس میں داخل ہو گے تو لازماً تم غالب ہو جاؤ گے۔''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳﴾ ''اور اللہ پر توکل کرو اگر تم

مومن ہو۔"

آیت ۲۴ ﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا﴾ "انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے"

﴿مَّا دَامُوْا فِیْهَا﴾ "جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں"

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ﴾ "بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو"

گویا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ساتھ اپنی یہ لٹھیا بھی لیتے جاؤ' جس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں' اس کی مدد سے ان جباروں کو شکست دے دو۔

﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ "ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔"

ہم تو یہاں ٹکے ہوئے ہیں' یہاں سے نہیں ہلیں گے' زمیں جنبد' نہ جنبد گل محمد!

یہ مقامِ عبرت ہے' تورات (Book of Exsodus) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لگ بھگ چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان میں سے عورتیں' بچے اور بوڑھے نکال دیں تو ایک لاکھ افراد تو جنگ کے قابل ہوں گے۔ مزید محتاط اندازہ لگائیں تو پچاس ہزار جنگجو تو دستیاب ہو سکتے تھے' مگر اس قوم کی پست ہمتی اور نظریاتی کمزوری ملاحظہ ہو کہ چھ لاکھ کے ہجوم میں سے صرف دو اشخاص نے اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار!

اب نبی کی بیزاری ملاحظہ فرمائیں۔ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہم قوم اسرائیلی کی مدافعت کرتے ہوئے ایک مکّار سیدی کر کے قبطی کی جان نکال دی تھی ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ﴾ (القصص:۱۵) اب اپنی قوم سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ﴾ "موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار' مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے"

باقی یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے۔ میرا کسی پر کچھ زور نہیں ہے۔

﴿فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝۲۵﴾ "تو اب تفریق کر دے' ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے رویّے سے اس درجہ آزردہ خاطر ہوئے کہ قوم سے علیحدگی کی

تمنا کرنے لگے کہ میں اب ان ناہنجاروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تیری عطا کردہ کیا کچھ نعمتیں برتی ہیں اور میرے ہاتھوں سے کیا کیا معجزے یہ لوگ دیکھ چکے ہیں' اس کے باوجود ان کا یہ حال ہے تو مجھے ان سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی لیکن اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ ''فرمایا اب یہ (ارضِ مقدس) حرام رہے گی ان پر چالیس سال تک۔''

یہ ہماری طرف سے ان کی بزدلی کی سزا ہے۔ اگر یہ بزدلی نہ دکھاتے تو ارضِ فلسطین ابھی ان کو عطا کر دی جاتی' مگر اب یہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی۔

﴿يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''یہ بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔''

اس صحرائے سینا میں یہ چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہیں گے۔

﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶﴾ ''تو (اے موسیٰؑ) آپ افسوس نہ کریں اس فاسق قوم پر۔''

اب آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھایئے۔ اب جو کچھ ان پر بیتے گی اس پر آپؑ کو ترس نہیں کھانا چاہیے۔ آپ بہرحال ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' جب تک زندگی ہے آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مرکھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے اور صحرا میں ایک نئی نسل پروان چڑھی جو خوئے غلامی سے مبرّا تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

اب ذرا اس پس منظر میں سورۃ النساء میں نازل ہونے والے حکم کو بھی یاد کریں۔ یہاں تو حضرت موسیٰؑ کا قول نقل ہوا ہے: ﴿لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ﴾ لیکن وہاں حضور ﷺ سے فرمایا گیا تھا: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النساء:۸۴)۔ ''(اے نبی ﷺ) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے' آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں' البتہ اہل ایمان کو بھی ترغیب دیں''۔ آپ پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے سوائے

اپنی جان کے البتہ آپ اہلِ ایمان کو جس قدر ترغیب وتشویق دلا سکتے ہیں دلائیں ان کے جذباتِ ایمانی کو جس جس انداز سے اپیل کرنا ممکن ہے کریں اور بس اس سے زیادہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

اب پانچویں رکوع میں قتلِ ناحق ملک میں فساد پھیلانے اور چوری ڈاکے جیسے جرائم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور پھر ان کی سزاؤں کا ذکر ہوگا۔

آیات ۲۷ تا ۳۴

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ع ۴

آیت ۲۷ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ﴾ ''اور (اے نبیؐ) ان کو پڑھ کر سنایئے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ۔''

﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ ''جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی''

﴿فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ﴾ ''تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی' جبکہ دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔''

آدمؑ کے یہ دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور قابیل کاشت کار تھا۔ ان دونوں نے اللہ کے حضور قربانی دی۔ ہابیل نے کچھ جانور پیش کیے' جبکہ قابیل نے اناج نذر کیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی مگر قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے ایک شعلہ نیچے اترتا تھا اور وہ قربانی کی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے قربانی کو قبول فرما لیا۔

﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ﴾ ''اُس نے کہا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا۔''

قابیل نے' جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی' حسد کی آگ میں جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اُس نے جواب دیا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

ہابیل نے کہا بھائی جان' اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ﴾ ''اگر آپ اپنا ہاتھ چلائیں گے مجھ پر مجھے قتل کرنے کے لیے''

﴿مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ﴾ ''(تب بھی) میں اپنا ہاتھ نہیں چلاؤں گا آپ کو قتل کرنے کے لیے۔''

یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ یکطرفہ قتل ہی ہوگا۔

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''مجھے تو اللہ کا خوف ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تم ہی اپنے سر لے لو''

﴿فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ﴾ ''تو پھر تم ہو جاؤ گے جہنم والوں میں سے۔''

اگر آپ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے کہ مجھے قتل کر ہی دیں گے تو آپ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ میری خطاؤں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھالیں گے۔ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے والا گویا مقتول کے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر اُٹھا لیتا ہے۔ یعنی اگر آپ مجھے ناحق قتل کریں گے تو میرے گناہوں کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا اور میرے لیے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ البتہ اس جرم کی وجہ سے آپ جہنمی ہو جائیں گے۔

﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ ۝۲۹﴾ ''اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔''

آیت ۳۰ ﴿فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِيۡهِ﴾ ''بالآخر اُس کے نفس نے آمادہ کر ہی لیا اسے اپنے بھائی کے قتل پر''

ان الفاظ کے بین السطور اس کے ضمیر کی کش مکش کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ ایک طرف اللہ کا خوف' نیکی کا جذبہ' خون کا رشتہ اور دوسری طرف شیطانی ترغیب' حسد کی آگ اور نفسانی خواہش کی اُکساہٹ۔ اور پھر بالآخر اس اندرونی کشمکش میں اس کا نفس جیت ہی گیا۔

﴿فَقَتَلَهٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۳۰﴾ ''تو اس نے اسے قتل کر دیا اور ہو گیا تباہ ہونے والوں میں سے۔''

آیت ۳۱ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبۡحَثُ فِى الۡاَرۡضِ﴾ ''تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کُریدنے لگا''

یہ پہلا خون تھا جو نسلِ آدم میں ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا لیکن اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے' اسے کیسے dispose off کرے' تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیج دیا جو اُس کے سامنے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا۔

﴿لِيُرِيَهٗ كَيۡفَ يُوَارِىۡ سَوۡءَةَ اَخِيۡهِ ؕ﴾ ''تاکہ (اللہ) اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔''

کوّے کے زمین کھودنے کے عمل سے اسے سمجھ آ جائے کہ زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جا

سکتا ہے۔

﴿قَالَ یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ﴾ ''(یہ دیکھا تو) اُس نے کہا ہائے میری شامت! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔''

افسوس مجھ پر! کیا میرے اندر اس کوّے جیسی عقل بھی نہ تھی کہ یہ طریقہ مجھے خود ہی سوجھ جاتا۔

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۝۳۱﴾ ''پھر وہ بہت پشیمان ہوا۔''

اس احساس پر اس کے اندر بڑی شدید ندامت پیدا ہوئی۔

آیت ۳۲ ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (تورات میں) یہ بات لکھ دی تھی''

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ﴾ والا فقرہ پچھلی آیت کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس آیت کے ساتھ بھی' یہ دونوں طرف بامعنی بن سکتا ہے۔

﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ﴾ ''کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے''

یعنی اگر کسی نے قتل کیا ہے اور وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جائے تو یہ قتل ناحق نہیں ہے۔

﴿اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ﴾ ''یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے''

اگر کوئی شخص ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل بھی قتلِ ناحق نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بے قصور انسان کا قتل کر دیا۔

﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾ ''گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

اُس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے اُس نے پوری نوعِ انسانی کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس لیے کہ اُس نے قتلِ ناحق سے تمدن و معاشرت کی جڑ کاٹ ڈالی۔ جان اور مال کا احترام ہی تو تمدن کی جڑ اور بنیاد ہے۔

﴿وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾ ''اور جس نے اُس (کسی ایک انسان) کی جان بچائی تو گویا اُس نے پوری نوعِ انسانی کو زندہ کر دیا۔''

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''اوران کے پاس ہمارے رسول آئے تھے واضح نشانیاں لے کر''

﴿ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ ''لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے پھر رہے ہیں۔''

اب ''آیتِ محاربہ'' آرہی ہے جو اسلامی قوانین کے لحاظ سے بہت اہم آیت ہے۔ محاربہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی گروہ فتنہ وفساد مچا رہا ہے' دہشت گردی کر رہا ہے' خونریزی اور قتل وغارت کر رہا ہے' راہزنی اور ڈاکہ زنی کر رہا ہے' گینگ ریپ ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے' جہاں اسلامی قانون نافذ ہو' جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں' ایمان فروش موجود ہوں' ججوں کو خریدا جا سکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الٹا بدنام ہو گی۔ لہٰذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''یہی ہے سزا اُن لوگوں کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے''

یعنی اسلامی ریاست کی عملداری کو چیلنج کرتے ہیں۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ ''اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں''

﴿اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا﴾ ''کہ انہیں (عبرت ناک طور پر) قتل کیا جائے''

واضح رہے کہ یہاں فعل یُقْتَلُوْا استعمال نہیں ہوا بلکہ یُقَتَّلُوْا ہے کہ ان کے ٹکڑے کیے جائیں۔

﴿اَوْ يُصَلَّبُوْٓا﴾ ''یا انہیں سولی چڑھایا جائے''

﴿اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ ''یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں''

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کاٹا جائے۔

﴿اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ ''یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے۔''

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا﴾ ''یہ تو ان کے لیے دُنیا کی زندگی میں رسوائی ہے''

﴿وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے (مزید) بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۳۴ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ﴾ ''سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔''

یعنی پکڑے جانے سے پہلے ایسے لوگ اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے رعایت کی گنجائش ہے' لیکن جب پکڑ لیے گئے تو توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ''پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا' مہربان ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا کہ اگر تم اپنے غلط عقیدے کو اپنے تک رکھو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا' لیکن اگر تم خونریزی کرو گے' قتل و غارت کرو گے تو پھر تمہارے ساتھ رعایت نہیں کی جا سکتی۔

آیات ۳۵ تا ۴۳

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاۗءُ وَیَغْفِرُ

لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ
يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ
وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ
لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ
وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ
جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ
يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

آیت ۴۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قُرب تلاش کرو''

یہاں لفظ ''وسیلہ'' قابلِ غور ہے اور اس لفظ نے کافی لوگوں کو پریشان بھی کیا ہے۔ لفظ ''وسیلہ'' اردو میں تو ''ذریعہ'' کے معنی میں آتا ہے' یعنی کسی تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بنالینا' سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنالینا۔ لیکن عربی زبان میں ''وسیلہ'' کے معنی ہیں ''قرب''۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ ''ذلیل'' ہے' عربی میں اس کے معنی ''کمزور'' جبکہ اردو میں ''کمینے'' کے ہیں۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ (آل عمران:۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔ اب اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اسی طرح عربی میں ''جہل'' کے معنی جذباتی ہونا ہے' اَن پڑھ ہونا نہیں۔ ایک پڑھا لکھا شخص بھی جاہل یعنی جذباتی' اکھڑ مزاج ہو سکتا ہے لیکن اردو میں جاہل عالم کا متضاد ہے' یعنی جو اَن پڑھ ہو۔ اسی طرح کا معاملہ

لفظ ''وسیلہ'' کا ہے۔ اس کا اصل مفہوم ''قرب'' ہے اور یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (آگے بڑھ کر) اس کا قرب تلاش کرو''

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کے غضب سے' اللہ کی ناراضگی سے اور اللہ کے احکام توڑنے سے بچنا۔ یہ ایک منفی محرک ہے' جبکہ قربِ الٰہی کی طلب ایک مثبت محرک ہے کہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جاؤ۔ لیکن اس کے قرب کا ذریعہ کیا ہوگا؟

﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس سے بات بالکل واضح ہوگئی کہ تقرب الی اللہ کے لیے جہاد کرو۔ تقویٰ شرط لازم ہے۔ یعنی پہلے جو حرام چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ' جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔ اور پھر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' اگر اُن کے پاس وہ ساری دولت ہو جو کہ زمین میں ہے کُل کی کُل اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو''

﴿لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''(اور وہ چاہیں) کہ وہ اس کے ذریعے سے فدیہ دے کر چھوٹ سکیں قیامت کے دن کے عذاب سے''

﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ﴾ ''تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔''

یہ حکم گویا ''تعلیق بالمحال'' ہے کہ نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ایسا ہوگا۔ لیکن بات کی سختی واضح کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا ہے اور آخری درجے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض ان کے پاس اتنی دولت موجود بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں اُن کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا﴾ ''وہ چاہیں گے کہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں لیکن نکل نہیں پائیں گے''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾﴾ ''اوران کے لیے ہوگا قائم رہنے والا عذاب۔''

یعنی ان کو مسلسل دائم اور قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

آیت ۳۸ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت' ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو''

یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ ''یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا''

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے۔''

دیکھئے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہوسکتا کسی بھی جانب سے (حٰمٓ السجدہ: ۴۲)۔ ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو' ریاست کی طرف سے کفالتِ عامہ کی سہولت موجود ہوتا کہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے' لیکن ''فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر فرض کرلیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کر دیا جائے؟ اس کے بعد پھر ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ مزید آئے ہیں۔ ''نکال'' کہتے ہیں عبرتناک سزا کو۔ تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہوگی؟ آپ نے دیکھا قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے بھی الفاظ کے کیسے کیسے پہرے بٹھائے گئے ہیں!

دراصل حدود و تعزیرات کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے لفظ ''نکال'' بہت اہم ہے۔ قرآن میں تعزیرات اور حدود کے سلسلے میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اگر سزا ہوگی تو عبرت ناک ہوگی۔ اسلام میں شہادت کا قانون بہت سخت رکھا گیا ہے۔ ذرا سا شبہ ہو تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے سزا کا نفاذ آسان نہیں۔ لیکن اگر تمام مراحل طے کر کے جرم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر سزا ایسی دی جائے کہ ایک کو سزا ملے اور

لاکھوں کی آنکھیں کھل جائیں تاکہ آئندہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ فلسفہ ہے اسلامی سزاؤں کا۔ یہ درحقیقت ایک تسدید (deterrence) ہے جس کے سبب معاشرے سے برائی کا استیصال کرنا ممکن ہے۔ آج امریکہ جیسے (نام نہاد) مہذب معاشرے میں بھی آئے دن انتہائی گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتساب اور سزا کا نظام درست نہیں۔ لوگ جرم کرتے ہیں' سزا ہوتی ہے' جیل جاتے ہیں' کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آتے ہیں' پھر جرم کرتے ہیں' پھر جیل چلے جاتے ہیں۔ جیل کیا ہے؟ سرکاری مہمان داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ﴾ ''تو جس نے بھی توبہ کر لی اپنے اس ظلم کے بعد اور اصلاح کر لی تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے اس کی توبہ کو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹﴾ ''یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

لیکن اس توبہ سے جرم کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوگی۔ یہ جرم ہے دنیا (قانون) کا اور گناہ ہے اللہ کا۔ جرم کی سزا دنیا میں ملے گی' گناہ کی سزا اللہ نے دینی ہے' اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کی سزا بھی ملے گی۔

آیت ۴۰ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی؟''

﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ''وہ سزا دے گا جس کو چاہے گا اور بخش دے گا جس کو چاہے گا۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اب یہاں پھر ذکر آ رہا ہے ان لوگوں کا جو دوغلی پالیسی پر کاربند تھے' لیکن سورۃ البقرۃ کی طرح یہاں بھی روئے سخن قطعیت کے ساتھ واضح نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کا انطباق منافقین پر بھی ہوگا اور اہلِ کتاب پر بھی۔ منافق اہل کتاب میں سے بھی تھے' جن کا میلان اسلام کی طرف بھی تھا اور چاہتے بھی تھے کہ مسلمانوں میں شامل رہیں لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو بھی چھوڑنے پر تیار

نہیں تھے۔ تو یہ لوگ جو ''مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ'' کی مثال تھے' یہ دونوں طرف کے لوگ تھے۔

آیت ۴۱ ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ﴾ ''اے نبی (ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں''

﴿مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''ان لوگوں میں سے جو اپنے مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں' مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔''

آپ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور بھاگ دوڑ سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

﴿وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ ''اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔''

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ''یہ بڑے ہی غور سے سنتے ہیں جھوٹ کو''

﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ﴾ ''اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے''

یعنی ایک تو یہ لوگ اپنے ''شیاطین'' کی جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں' جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴) میں فرمایا: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ پھر یہ لوگ ان کی طرف سے جاسوس بن کر مسلمانوں کے ہاں آتے ہیں کہ یہاں سے سن کر ان کو رپورٹ دے سکیں کہ آج محمد (ﷺ) نے یہ کہا' آج آپ کی مجلس میں فلاں معاملہ ہوا۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ کا ترجمہ دونوں طرح سے ہوسکتا ہے: ''دوسری قوم کے لوگوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں'' یا ''سنتے ہیں دوسری قوم کے لوگوں کے لیے'' یعنی انہیں رپورٹ کرنے کے لیے ان کے جاسوس کی حیثیت سے۔ ان کے جو لیڈر اور شیاطین ہیں' وہ آپ کے پاس خود نہیں آتے اور یہ جو بین بین کے لوگ ہیں یہ آپ کے پاس آتے ہیں اور ان کے ذریعے سے جاسوسی کا یہ سارا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ ''وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع و محل معیّن ہو جانے کے بعد۔''

﴿یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ ''وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل

جائے تو قبول کر لینا''

﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا﴾ ''اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔''

اہلِ کتاب کے سرداروں کو اگر کسی مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہوتا تو اپنے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجتے اور پہلے سے انہیں بتا دیتے کہ اگر فیصلہ اس طرح ہو تو تم قبول کر لینا' ورنہ رد کر دینا۔ واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست اور پورے طور پر ایک ہمہ گیر اسلامی حکومت دراصل فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی اور یہ صورت حال اس سے پہلے کی تھی۔ ورنہ کسی ریاست میں دو ہرا عدالتی نظام نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جب چاہتے اپنے فیصلوں کے لیے حضور ﷺ کے پاس آ جاتے اور جب چاہتے کسی اور کے پاس چلے جاتے تھے۔ گویا بیک وقت دو متوازی نظام چل رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ لوگ یہ کہنے کی جسارت کرتے تھے کہ یہ فیصلہ ہوا تو قبول کر لینا' ورنہ نہیں۔

﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ ''اور جس کو اللہ ہی نے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔''

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ''ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے''

﴿وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ''یہ خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو''

﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ ''خوب کھانے والے ہیں حرام کو۔''

﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ﴾ ''پھر اگر یہ آپؐ کے پاس (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آئیں''

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''تو آپؐ (کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔''

آپؐ کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کا مقدمہ سنیں اور فیصلہ کر دیں اور چاہیں

تو مقدمہ لینے ہی سے انکار کر دیں' کیونکہ ان کی نیت درست نہیں ہوتی اور وہ آپؐ کا فیصلہ لینے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ پراپیگنڈا کریں گے کہ دیکھو جی ہم تو گئے تھے محمد (ﷺ) کے پاس مقدمہ لے کر' یہ کیسے نبی ہیں کہ مقدمے کا فیصلہ کرنے کو ہی تیار نہیں! اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپؐ اس کی پرواہ نہ کریں۔

﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا﴾ ''اور اگر آپؐ ان سے اعراض کریں گے تو وہ آپؐ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔''

یعنی ان کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے قطعاً فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ ''اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے عین مطابق فیصلہ کریں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپؐ کو کیسے حَکم بناتے ہیں''

﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ ''جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے''

﴿فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ ''جس میں اللہ کا حکم موجود ہے''

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بدنیتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہو تو تورات سے راہنمائی حاصل کر لیں۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر بھی وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔''

﴿وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳﴾ ''اور حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔''

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان سے تہی دست ہیں' ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ ہے ان کا اصل روگ۔

❁❁❁

دعوت بالقرآن۔ اعجازِ مسیحائی

محمد رشید عمر

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپؑ نے فرمایا:

﴿اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (آل عمران)

''میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔ میں ٹھیک کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اور مُردہ کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے اذن سے۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

جس دور میں مسیح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا اُس وقت بنی اسرائیل کی جو حالت ہو چکی تھی کے جرائم قرآن مجید نے کئی مقامات پر فردِ جرم کی شکل میں گنوائے ہیں' جیسے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنا۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تحریف کرنا۔
(۳) غلو فی الدین کا ارتکاب۔
(۴) لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور خود عمل نہ کرنا۔
(۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنا۔
(۶) تورات کے احکامات کو اجتماعی نظام سے خارج کر دینا۔
(۷) ایسی مساعی کرنے والوں کی راہ میں روڑے اٹکانا بلکہ انبیاء کو قتل کر دینا۔
(۸) سود خوری۔

(۹) لوگوں کا مال ناحق ہڑپ کرنا۔
(۱۰) دین فروشی۔
(۱۱) زبان کا گناہ کے لیے استعمال۔
(۱۲) دنیا میں ہزار سال جینے کی تمنا کرنا۔

مزید برآں ایسے معاشرے کے نمایاں اور قابل ذکر افراد کا مسخ باطنی کن حدوں کو چھو رہا تھا' اس کی نشاندہی ان آیات میں کی گئی ہے:

﴿..... الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ..... ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ﴾

(الاعراف:۱۷۵۔۱۷۶)

''جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان (علم وفضیلت) سے نکل گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں کے علم وعمل) کے ذریعے اس کو بلند فرما دیتے لیکن وہ (خود) زمینی دنیا کی (پستی) کی طرف راغب ہو گیا اور خواہش کا پیرو بن گیا' تو اب اس کی مثال کتے کی سی ہے..... یہ بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا۔''

یعنی بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کی فضیلت سے نوازا تھا' جیسے سورۃ الجاثیہ میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

''اور بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب' حکومت اور نبوت عطا کی تھی' انہیں پاکیزہ روزی دی اور تمام جہانوں پر انہیں فضیلت عطا کی۔''

لیکن بنی اسرائیل نے یہ فضیلت کی قبا اُتار پھینکی اور دنیا پرستی میں پڑ کر پستی کے مکین بن کر رہ گئے۔ اس حد تک زوال کا شکار قوم جو مسیح علیہ السلام کے حسی معجزات سے بھی استفادہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی وہ ان معجزات کے پوشیدہ اسرار ورموز کو کیسے جان سکتی تھی۔ ان معجزات کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (آل عمران)

''بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

مسیح علیہ السلام کے معجزات کوئی کرتب یا تماشا نہ تھے بلکہ ان میں بہت بڑا اسبق پوشیدہ تھا لیکن ایمان سے محرومی نے نہ صرف پستی سے عروج کی طرف پرواز کی فکر کو ختم کر دیا تھا بلکہ انہیں حق سننے سے بہرا اور خیر و شر کی تمیز سے اندھا کر دیا' ان کی معاشرتی حالت کو دگرگوں کر دیا اور خاندان کا شیرازہ اس طرح بکھیر دیا کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا قبیح کام ان کا مشغلہ بن گیا۔ خاندان' خیر کا ابتدائی گہوارہ تھا' اس میں شر داخل کر کے اسے بھی خیر سے محروم کر دیا۔

اس وقت اُمتِ مسلمہ کی حالت اوپر بیان کی گئی تصویر سے مختلف نہیں ہے۔ ایک ایک بات اُمتِ مسلمہ پر چسپاں ہوتی ہے۔ نیل سے لے کر کاشغر تک اسلام آباد ہو یا کراچی' کابل ہو یا قندھار' ریاض ہو یا جدہ' سکندریہ ہو یا قاہرہ' مصلحین مخلصین کا حشر ہم نے کیا کیا؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ حکمران طبقے کا ظلم' مذہبی قیادتوں کی تنگ نظری اور اخلاقی زوال نے معاشرے کی حالت کو ایسے بنا دیا ہے جس طرح کوئی کوڑھی شخص' جس سے ہر کوئی دور بھاگتا ہے۔ کسی عرب شاعر کے شعر کا مفہوم عرض کرتا ہوں:

''آبادیاں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ نہیں ہو جاتیں بلکہ لوگوں کی اخلاقی پستی انہیں ناقابل رہائش بنا دیتی ہے۔''

جب معاشرہ کوئی بھلائی کی بات ماننے سے انکار کر دے' سننے کی بجائے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے' بداعمالیوں کے نتائج کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی اندھوں جیسا معاملہ کرے' اس معاشرے کی حالت کیسے سُدھر سکتی ہے؟ ہمارے گھروں میں کیا ہے؟ ہم نے کیا جمع کیا ہوا ہے؟ اندرون خانہ ہمارے مشاغل کیا ہیں؟ وہاں سے ہم کیا لے کر باہر آتے ہیں؟ کیا اس کے متعلق کسی کا پیشین گوئی کرنا مشکل ہے؟ کیا ہمارے لیے کوئی مسیحا نہیں ہے؟

مسیح علیہ السلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کے معجزہ میں فرق ہے۔ مسیح علیہ السلام کے معجزات حسی تھے اور ان کی کارفرمائی مسیح علیہ السلام کی حیات سے وابستہ تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی کارفرمائی آپ کے اُسوۂ حسنہ اور آپ پر نازل ہونے والے کلام پاک میں مضمر ہے جو قیامت تک ظاہر ہوتی رہے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسیحائی کا وہ معجزنما نسخہ قرآن پاک اور سیرت النبی ﷺ سے حاصل کر کے اندھے بہرے معاشرے کو بینا اور سننے والا اور مردہ اور جمود کے شکار معاشرے کو زندہ اور پستی سے عروج کی طرف مائل پرواز کیا جائے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں!

آیئے آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے کچھ پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی شان اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝﴾ (الاحزاب)

''اے نبی (ﷺ) بے شک ہم نے آپ کو شہادت دینے والا' خوشخبری دینے والا' اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے' اور اُس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا ہے۔''

مفتی محمد شفیع ؒ نے معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک حدیث مبارکہ درج کی ہے' ملاحظہ کیجیے۔ عطاء بن یسار نے عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے تورات میں مذکور نبی کریم ﷺ کے اوصاف کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو بھیجا ہے' شاہد بنا کر' بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اُمیین کی حفاظت اور پناہ بنا کر۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ آپ تُند خو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ آپ بازاروں میں شور مچانے والے۔ اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک واپس نہیں بلائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعے ٹیڑھی اُمت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے۔ آپ کے ذریعے اللہ اندھی آنکھوں' بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔''

سید مودودی ؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

''نبی کو گواہ بنانے کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے' جس میں تین قسم کی شہادتیں شامل ہیں:

(۱) **قولی شہادت** 'یعنی اللہ کا دین جن حقائق اور اصولوں پر مبنی ہے' نبی ان کی صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہو اور دنیا سے صاف صاف کہہ دے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔ خدا کی ہستی اور اس کی توحید' ملائکہ کا وجود' وحی کا نزول' حیات بعد الموت کا وقوع اور جنت و دوزخ کا ظہور خواہ دنیا کو کیسا ہی عجیب

معلوم ہو اور دنیا ان باتوں کے پیش کرنے والے کا مذاق اڑائے یا اسے دیوانہ کہے' مگر نبی کسی کی پروا کیے بغیر اُٹھے اور ہانک پکار کر کہہ دے کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اسے نہیں مانتے۔ اسی طرح اخلاق اور تہذیب اور تمدن کے جو تصورات' اقدار' اصول اور ضابطے خدا نے اس پر منکشف کیے ہیں انہیں اگر ساری دنیا غلط کہتی ہو اور ان کے خلاف چل رہی ہو تب بھی نبی کا کام یہ ہے کہ ان ہی کو علی الاعلان پیش کرے اور اُن تمام خیالات اور طریقوں کو غلط قرار دے جو ان کے خلاف دنیا میں رائج ہوں۔ اسی طرح جو خدا کی شریعت میں حلال ہے نبی اس کو حلال ہی کہے خواہ ساری دنیا اسے حرام سمجھتی ہو' اور جو کچھ خدا کی شریعت میں حرام ہے نبی اس کو حرام ہی کہے خواہ ساری دنیا اسے حلال وطیب قرار دے رہی ہو۔

(۲) عملی شہادت' یعنی یہ کہ نبی اپنی پوری زندگی میں اس مسلک کا عملاً مظاہرہ کرے جسے دنیا کے پیش کرنے کے لیے وہ اٹھا ہے۔ جس چیز کو وہ برائی کہتا ہے اس کے ہر شائبے سے اس کی زندگی پاک ہو۔ جس چیز کو وہ بھلائی کہتا ہے اس کی اپنی سیرت میں وہ پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ جس چیز کو وہ فرض کہتا ہے اسے ادا کرنے میں وہ سب سے بڑھ کر ہو۔ جس چیز کو وہ گناہ کہتا ہے اس سے بچنے میں کوئی اس کی برابری نہ کر سکے۔ جس قانونِ حیات کو وہ خدا کا قانون کہتا ہے اسے نافذ کرنے میں وہ کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے۔ اس کا اپنا اخلاق و کردار اس بات پر گواہ ہو کہ وہ اپنی دعوت میں کس قدر سچا اور کتنا مخلص ہے۔ اور اس کی ذات اس کی تعلیم کا ایسا مجسم نمونہ ہو جسے دیکھ کر ہر شخص معلوم کر لے کہ جس دین کی طرف وہ بلا رہا ہے وہ کس معیار کا انسان بنانا چاہتا ہے' کیا کردار اُس میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور کیا نظامِ زندگی اُس سے برپا کرانا چاہتا ہے۔

(۳) اُخروی شہادت' یعنی آخرت میں جب اللہ کی عدالت قائم ہو اس وقت نبی اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیا اور ان کے سامنے اپنے قول و فعل اور عمل سے حق واضح کر دینے میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اسی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا کہ ماننے والے کس جزا کے' اور نہ ماننے والے کس سزا کے مستحق ہیں۔

بعض لوگوں نے اس شہادت کو یہ معنی پہنانے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ آخرت میں لوگوں کے اعمال پر شہادت دیں گے' اور اس سے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ

حضور ﷺ تمام لوگوں کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں' ورنہ بے دیکھے شہادت کیسے دے سکیں گے۔ لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ تاویل قطعاً غلط ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ لوگوں کے اعمال پر شہادت قائم کرنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا ہی انتظام فرمایا ہے۔ اس غرض کے لیے اُس کے فرشتے ہر شخص کا نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: ق:۱۸۔۱۷ اور الکھف:۱۴۹) اور اس کے لیے وہ لوگوں کے اپنے اعضاء سے بھی گواہی لے گا (یٰسٓ:۶۵ ۔ حٰمٓ السجدۃ:۲۱۔۲۰) رہے انبیاء علیہم السلام تو ان کا کام بندوں کے اعمال پر گواہی دینا نہیں ہے بلکہ اس بات پر گواہی دینا ہے کہ بندوں تک حق پہنچا دیا گیا تھا....." (تفہیم القرآن' جلد چہارم)

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی قوم' جو پستی اور زوال کی وجہ سے اُس وقت دنیا کی کوئی قابل توجہ قوم نہ تھی' اسے عروج کی ایسی منزل سے آشنا کیا کہ وہ صدیوں تک انسانیت کی امامت کا فریضہ سرانجام دیتی رہی' اور چہار دانگ عالم میں اس کی شوکت و سطوت کا ڈنکا بجتا رہا۔ گویا آپ ﷺ نے اُس میں زندگی کی روح پھونک دی۔ یہ معجزہ کب اور کیسے ظہور پذیر ہوا؟ جب آپ ﷺ نے درج ذیل احکام خداوندی پر عمل کیا:

☆ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الحجر)
"سنا دیں کھول کر جو آپ کو حکم ہوا اور مشرکوں کی پروا نہ کریں!"

☆ ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (المدثر)
"کھڑے ہو جاؤ پس خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو!"

☆ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدۃ:۶۷)
"اے رسول' پہنچا دیجیے جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے۔"

☆ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾ (النحل:۱۲۵)
"اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو۔"

☆ ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (لقمٰن:۱۷)
"نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔"

اور پھر:

☆ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۹۴)
"اور لڑو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے فساد اور دین (نظام اطاعت) اللہ ہی کے

لیے ہو جائے۔"

جن حضرات نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا' انہیں دائمی و ابدی پاکیزہ حیات کی بشارت دے دی گئی۔ صدیاں گزر جائیں وہ منوں مٹی کی تہہ میں پڑے ہوئے بھی زندہ جاوید ٹھہرے۔

☆ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ (الانفال:۲۴)

"اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جب رسول تمہیں اس شے کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔"

☆ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

"جو شخص بھی نیک کام کرے گا' خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو' تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔"

جنہوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس کے راستے میں روڑے اٹکائے' وہ دنیا میں چلتے پھرتے بھی مردہ شمار کیے گئے اور ایسے مُردوں کے بارے میں فرمایا:

☆ ﴿وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ (الانعام)

"اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا اور پھر اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔"

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسانیت کی زندگی صرف اور صرف اس دعوت کے مان لینے کے ساتھ وابستہ ہے' اور اُمتِ مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے کہ وہ لوگوں پر حجت تمام کر دے:

☆ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تمہارے اوپر گواہی دینے والا ہو جائے۔"

☆ ﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج:۷۸)

"تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔"

مزید فرمایا:

☆ ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ

اَحْسَنُ﴾ (النحل:۱۲۵)

''دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور بحث کیجیے ان سے جس طرح بہتر ہو۔''

☆ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (حٰمٓ السجدة)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوگی جس نے بلایا اللہ کی طرف اور نیک کام کیے اور کہا کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ داعی الی اللہ کے کردار میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۴ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی جھلک ہونی چاہیے اور وہ جب دین کی دعوت کا داعی بن کر کھڑا ہو تو:

(۱) وہ خود اس پر عمل کر کے دکھائے۔ وہ سِرَاجًا مُّنِيْرًا نہیں بن سکتا' وہ تو صرف ایک ہی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں' البتہ وہ کوکبٌ دُرِّیٌّ اور نجمٌ ثاقبٌ تو بن سکتا ہے۔ وہ سِرَاجًا مُّنِيْرًا سے روشنی حاصل کر کے چمکنے والا تارہ تو ضرور بن سکتا ہے۔

(۲) دین کے بدیہی حقائق کے متعلق صاف صاف بیان کرے کہ وہی حق ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

(۳) اخلاق' تہذیب اور تمدن کے جو تصورات' اقدار' ضابطے اور اصول اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے عطا کیے ہیں' علی الاعلان دنیا کے سامنے پیش کرے' اور ان تمام خیالات اور طریقوں کو غلط قرار دے جو ان کے خلاف دنیا میں رائج ہیں۔

(۴) جو کچھ شریعت میں حلال ہے صرف اسے ہی حلال کہے اور جو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام قرار دے' خواہ ساری دنیا اس کے خلاف کہہ اور کر رہی ہو۔

(۵) احکامِ خداوندی کی حکمت لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرے۔

(۶) مناظرہ باز اور بحث کرنے والوں کے ساتھ دلیل کے ساتھ بات کرے۔

(۷) حالات کا گہری نظر سے جائزہ لے اور احکامِ خداوندی سے روگردانی کے نتائج سے ڈنکے کی چوٹ دنیا کو خبردار کرے۔

(۸) اس کی دعوت سے خلوص اور انسانی ہمدردی کے جذبات چھلک رہے ہوں۔

(۹) اس کی دعوت دین کے کسی جزو کی طرف نہ ہو بلکہ پورے دین کی دعوت پیش کرے۔

اور یہ سارا کام کلام پاک کی مدد سے اور اس کے ذریعے انجام دے۔ اس لیے کہ مسیح علیہ السلام مُردوں میں زندگی کی روح اذنِ رب سے پھونکتے تھے۔ آج یہ اذنِ ربّ ''کلامِ الٰہی'' قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ پستی کے شکار' کوڑھ زدہ' اندھے بہرے معاشرے جس کی بنیادی اکائی خاندان یا گھر ہے' تباہ ہونے کو ہے' اس کو عروج کی طرف مائل پرواز کرنے' کوڑھ کو تندرست کرنے' اندھے پن کو بینائی میں بدلنے' بہرے کانوں کو کھولنے اور ماں کی گود کو حسین رضی اللہ عنہ جیسے لال پیدا کرنے کے قابل بنانے کے لیے دعوت الی اللہ بالقرآن اور جہاد بالقرآن کی ہی ضرورت ہے۔ تب ہی مردہ انسانیت میں جان پڑ سکتی ہے۔ اس کے بغیر احیائے ملتِ اسلامیہ ممکن ہی نہیں ہے:

﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝۲﴾ (الاعراف)

''ایک ایسی کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے خبردار کرنے میں آپ کے دل میں ذرا بھی تنگی نہیں ہونی چاہیے اور یہ یاددہانی ہے اہل ایمان کے لیے۔''

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''قائم کرو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو۔''

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

''سو تم اسی کی طرف بلاؤ اور قائم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا' اور مت چلو ان کی خواہشوں پر' اور کہہ دو کہ میں یقین لایا ہر اُس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی' اور مجھے حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے درمیان.....''

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشن

انجینئر نوید احمد

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے' وہ ہمیں تعلیماتِ قرآنی کی روشنی میں یہی سبق پڑھا کر گئے کہ اصل اہمیت مشن کی ہوتی ہے نہ کہ شخصیات کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (آلِ عمران: ۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر ایک رسول' اور اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں' تو بھلا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں (دین سے) پھر جاؤ گے؟''

یعنی کیا تمہارا دین صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے؟ کیا تم اُن کے بعد دین پر قائم نہیں رہو گے؟ جب حضرت محمد ﷺ کی ہستی کے بارے میں قرآنِ مجید یہ اسلوب اختیار کر رہا ہے تو پھر کسی اور ہستی کا معاملہ تو اِس سے کہیں کمتر ہے۔ لہٰذا ہمیں ہمیشہ مشن کو مقدم رکھنا چاہیے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے ہم پر بے مثال احسانات ہیں جن کا بدلہ اُتارنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔ البتہ احسان مندی کا تقاضا ہے کہ ہم اُس مشن کو نہ صرف جاری رکھیں بلکہ تیز تر کر دیں جس کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ایسا کرنا آسان فرما دے۔ آمین!

مشن کی اہمیت

جہاں تک مشن کا معاملہ ہے یہ کسی انسان کے انسان ہونے کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک انسان کو انسان بناتی ہی یہ بات ہے کہ اُس کا کوئی نہ کوئی واضح مشن ہو۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم جنہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ اپنے اساتذہ میں شمار کرتے تھے' اُنہوں نے

یہ بات بیان کی ہے کہ انسان اور حیوان میں جو فرق ہوتا ہے وہ مشن کا ہوتا ہے۔ حیوان کا کوئی مشن نہیں ہوتا۔ دنیا میں گائے کیوں جی رہی ہے؟ کیا اُس کا اپنا کوئی مشن ہے؟ نہیں' بلکہ انسان اُس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اِسی طرح وہ شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں جس کی زندگی میں کوئی مشن نہ ہو۔ انسان وہ ہے جس کا کوئی واضح مشن ہو۔ مشن کم تر بھی ہوسکتا ہے اور اعلیٰ بھی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اعلیٰ ترین مشن اللہ کے رسولوں کا تھا۔ اُن سے زیادہ عظیم ہستیاں کوئی ہو ہی نہیں سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں آگاہ فرمایا کہ اُس کے رسولوں (علیہم السلام) کا مشن ''اقامتِ دین'' تھا۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ جلیل القدر رسولوں (علیہم السلام) کا ذکر کیا اور بتایا کہ اللہ نے اُن سب کو ''اقامتِ دین'' یعنی دین غالب کرنے کا حکم دیا تھا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝﴾

''تمہارے لیے اللہ نے دین کے حوالے سے وہی چیز طے کر دی ہے جس کی کہ اُس نے وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جس کی ہم نے وحی کی ہے اے نبیؐ آپ کو اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ دین کو قائم کرو اور اِس معاملے میں تفرقہ میں مت پڑو۔ بڑی بھاری ہے وہ بات مشرکوں پر جس کی طرف اے نبیؐ آپ بلا رہے ہیں۔ اللہ چُن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے اُسے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

اِس آیت نے ہمارے لیے بھی وہی مشن طے کر دیا جو مشن اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور رسولوں کا تھا۔ پھر یہ بھی تاکید کی گئی کہ اِس مشن کے حوالے سے ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو۔ ہم سب کا مشترکہ ہدف ہو کہ ہر سطح پر دین غالب کیا جائے' یعنی انفرادی اعتبار سے اپنے ذاتی اختیار میں بھی شریعت پر عمل ہو اور اجتماعی طور پر پورے معاشرے میں بھی اللہ کے احکامات جاری وساری ہوں۔ الحمدللہ! ڈاکٹر صاحبؒ کی پوری زندگی کے شب و روز اُن کی جدوجہد اِس بات پر شاہد ہے کہ اُن کا مشن یہی ''اقامتِ دین'' تھا' یعنی اللہ کے دین کے غلبے کی کوشش۔

اعلیٰ مشن کا واضح شعور

اعلیٰ مشن کا یہ شعور ہر وقت ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی جزوی خیر کے کام کو ہی اپنا مشن بنا کر اُسی پر مطمئن ہو جائیں۔ مثال کے طور پر کسی خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کا تزکیہ کرنا بلاشبہ خیر کا کام ہے۔ لیکن اگر صرف یہی سرگرمی ہے تو یہ نبیوں والا کام نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کا تزکیہ بھی کیا' لیکن میدان میں آ کر باطل کے ساتھ پنجہ آزمائی بھی کی۔ محض تزکیہ کا کام اللہ کے رسول ﷺ کی مکمل سنت پر عمل نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تزکیہ بھی کیا اور آپؐ تاریخِ انسانی کی واحد ہستی ہیں جنہوں نے ہزاروں افراد کی تربیت کی۔ لیکن کیا آپ ﷺ نے صرف خانقاہ کے اندر بیٹھ کر تزکیہ ہی کیا تھا؟ نہیں۔ آپ ﷺ نے تلوار بھی ہاتھ میں اٹھائی اور اللہ کی راہ میں جنگ بھی کی۔ کسی مدرسہ یا اکیڈمی کے اندر بیٹھ کر درس و تدریس کرنا خیر کا کام ہے لیکن جزوی خیر کا کام ہے۔ انبیاءؑ نے مساجد میں تدریس بھی کی لیکن گلی کوچوں میں پھر کر لوگوں تک اللہ کا پیغام بھی پہنچایا۔ نبی اکرم ﷺ دعوت کے ذریعہ لوگوں کو اقامتِ دین کے مشن میں شامل کر کے اِس مشن کو اُس حد تک لے گئے کہ ہاتھ سے برائی کو روکنے کی قوت پیدا ہو گئی۔ محض علمی یا تدریسی کام تو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت نہیں ہے۔ سماجی خدمت کرنا اچھا کام ہے۔ ہمارے ہاں الحمدللہ بڑے پرخلوص سماجی خدمت گار ہیں۔ لیکن کیا وہ اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کر رہے ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی سماجی خدمت کی' لیکن آپ ﷺ نے اِس کے ساتھ ساتھ باطل کو شکست دے کر ایسی ویلفیئر ریاست قائم کر دی کہ سماجی خدمت کا پورا کام ریاست نے اپنے ذمہ لے لیا۔ مختلف قسم کے اصلاحی کام کرنا بھی لائق تحسین ہے لیکن اِن ہی تک محدود رہنا جزوی خیر کا کام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اصل مشن انقلابی تھا' یعنی معاشرہ میں ہمہ گیر تبدیلی برپا کرنا۔ عقائد' عبادات' رسومات اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ کو اللہ کی منشا کے مطابق بدل دینا۔ اِسی کا نام ہے ''اقامتِ دین''۔ الحمدللہ! ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے بھی اِسی مشن کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اِس اعلیٰ مشن کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں میں اِسی لیے نمازی

اکثر لوگ کسی جزوی خیر کے کام سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کوئی خانقاہی کام کے اندر لگ

کر مطمئن ہے' کوئی تدریسی وعلمی کام کے اندر ہی مگن ہے' کوئی کسی ویلفیئر کے کام کو ہی کل خیر کا کام سمجھتا ہے اور کوئی کسی اصلاحی کام کے اندر ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ یہ سارے خیر کے کام ہیں' لیکن Never settle for less۔ ہمیں اعلیٰ کام کے لیے اپنی صلاحیتیں لگانی چاہئیں اور وہ اعلیٰ کام ہے رسول اللہ ﷺ کا مشن۔ اِس مشن کا قرآنِ مجید نے تین بار ذکر کیا:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

(التوبۃ :۳۳' الفتح :۲۸' الصف:۹)

''وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو بھیجا کامل ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ وہ اُس دین کو کل کے کل نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔''

ڈاکٹر صاحبؒ پر اللہ کا خصوصی فضل

ڈاکٹر صاحبؒ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہوا کہ اُنہیں بالکل اوائل عمر ہی سے اقامتِ دین کے اعلیٰ مشن کا شعور ہو گیا۔ دس سال کی عمر میں کلامِ اقبال کا پہلا اردو مجموعہ ''بانگ درا'' پڑھ لیا اور سب سے زیادہ اُن اشعار سے متاثر ہوئے جن میں اسلام کے غلبہ کے حوالے سے ایک امید افزا پیغام تھا:

کتابِ ملّت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اِس کے بعد اسلام کو پھر سے غالب کرنے کا ولولہ آپ کے اندر بڑی شدت سے موجزن ہو گیا جب آپ نے تیرہ برس کی عمر میں حفیظ جالندھری کا 'شاہنامۂ اسلام' پڑھا' جس کا عنوان یہ شعر ہے:

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ

جماعت اسلامی سے وابستگی

جب ڈاکٹر صاحبؒ شعور کی عمر کو پہنچے تو محسوس ہوا کہ برعظیم میں ایک تحریک ایسی ہے جو خالصتاً اقامتِ دین کے لیے برپا ہوئی ہے۔ وہ کسی خاص مسلک کی بنیاد پر نہیں اور نہ ہی کوئی محدود مقصد رکھتی ہے۔ یہ تحریک ہے جماعت اسلامی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے اور یہ وابستگی مختلف حیثیتوں میں پورے دس برس جاری رہی۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۰ء ہمدردانِ جماعت اسلامی کے حلقہ میں شامل رہے۔ اِس دوران اُنہوں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ مزید یہ کہ جماعت اسلامی کی نفاذِ دستورِ اسلامی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ اِس مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد دستورِ پاکستان میں شامل کردی گئی۔ اِس کے ذریعہ اصولی اعتبار سے طے کیا گیا کہ پاکستان میں کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے منافی نہ ہوگی۔ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۴ء ڈاکٹر صاحبؒ نے اسلامی جمعیت طلبہ میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ وہ پہلے ناظمِ لاہور پھر ناظمِ پنجاب اور آخر کار ناظمِ اعلیٰ پاکستان کے منصب تک پہنچے۔ اِس کے بعد نومبر ۱۹۵۴ء تا اپریل ۱۹۵۷ء یعنی ڈھائی سال تک جماعت اسلامی میں رہے۔ اِس دوران وہ جماعتِ اسلامی ساہیوال کے امیر کی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔

۱۹۵۶ء میں کئی اراکینِ جماعت اور ڈاکٹر صاحبؒ نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی کا رخ انتخابی سیاست میں شامل ہونے کی وجہ سے بدل گیا ہے۔ پہلے ترجیح افراد کی ذہن سازی، تطہیرِ افکار، تزکیۂ نفس اور تعمیرِ سیرت تھی، اب رُخ حکومت پر تنقید اور نظامِ حکومت کی اصلاح کی جانب ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اِس تجزیہ کے لیے ایک اختلافی بیان (جو بعد میں ''تحریک جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' کے نام سے شائع ہوا) تحریر کیا جس میں بطورِ دلیل جماعت کے اکابرین کی تحریروں کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا۔ یہ تقابل ۱۹۴۷ء سے قبل لکھی جانے والی تحریروں اور پھر ۱۹۴۷ء کے بعد شائع ہونے والی تحریروں کا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے اختلافی بیان نے جماعت اسلامی کی شوریٰ کے کئی اراکین کو بہت متاثر کیا۔ شوریٰ کی اکثریت کی رائے تھی کہ جماعت کو انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ مولانا مودودی کو اِس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اراکین شوریٰ کی اکثریت نے انتخابی سیاست میں حصہ لینے پر اختلاف کی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے جماعت سے علیحدگی کچھ عرصہ بعد اختیار کی۔ اُس کی وجہ یہ ہوئی کے جماعت میں اظہارِ اختلافِ رائے پر

پابندی عائد کردی گئی اور اصولی طور پر طے کر دیا گیا کہ جس کو بھی جماعت کی پالیسی سے اختلاف ہے وہ اِسے صرف سالانہ اجلاس میں ہی بیان کرے گا۔ ڈاکٹر صاحبؒ اِس پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے لہٰذا اُنہوں نے اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

کھوئے ہوؤں کی جستجو

جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے باوجود اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کا جذبہ ڈاکٹر صاحبؒ میں سرد نہیں پڑا۔ اُنہوں نے پورے دس برس کوشش کی کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے اکابرین اب خود ایک اجتماعیت قائم کریں' کیونکہ دین بغیر اجتماعیت کے غالب نہیں ہوسکتا۔ اِس حوالے سے اُنہوں نے شہر شہر جا کر اکابرین سے ملاقاتیں کیں۔ بالآخر ۱۹۶۷ء میں کچھ کامیابی ملی اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے ۴۰ حضرات رحیم یار خاں میں جمع ہوئے اور اُنہوں نے اتفاق کیا کہ ہم ایک نئی جماعت بنائیں گے جس میں اصل توجہ افراد کی تربیت پر ہوگی۔ افراد بدلیں گے تو معاشرے پر اُس کی برکات ظاہر ہوں گی اور پھر معاشرہ میں خود بخود اقامتِ دین کے لیے ایک پیاس پیدا ہوگی۔ جمع ہونے والے حضرات نے نئی اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے ایک قرارداد تاسیس پر اتفاق کیا۔ قرارداد تاسیس کی توضیحات کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ اور مولانا عبدالغفار حسن صاحبؒ نے بہت عمدہ تقاریر کیں۔ افسوس کہ اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے معاملہ مزید آگے نہ بڑھ سکا۔ بعدازاں جب ڈاکٹر صاحبؒ نے تنظیمِ اسلامی قائم کی تو مذکورہ قرارداد تاسیس ہی کو تنظیمِ اسلامی کی اساس کے طور پر اختیار کیا۔

اپنی دُنیا آپ پیدا کرنے کا عزم

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ جب اِس بات سے ناامید ہوگئے کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین کسی اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے آگے بڑھیں گے تو اُنہوں نے اپنے طور پر ایک اجتماعی جدوجہد کے آغاز کا عزم کیا۔ اِس حوالے سے اُنہوں نے ۱۹۶۷ء میں ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' کے عنوان سے ایک تحریر میں ایک لائحہ عمل پیش کیا۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ سے مراد ہے اسلام کا دوبارہ غلبہ۔ پہلی بار اسلام غالب ہوا تھا اللہ کے رسول ﷺ کے دورِ سعادت میں۔ پھر خلافت راشدہ آئی اور بعد میں رفتہ رفتہ اسلام مغلوب ہوتا چلا گیا۔ مسلمانوں کو درمیان میں پھر ایک عروج ملا' خلافتِ عثمانیہ قائم ہوئی' لیکن اسلام وہ نافذ

نہیں ہوا جو پہلی دفعہ غالب ہوا تھا۔ جس میں واقعتاً عدل تھا' قانون کی نظر میں سب برابر تھے' ہر فرد کے حقوق محفوظ تھے اور ہر شہری کی جان' مال اور آبرو کی حرمت قائم تھی۔ وہ اسلام قیامت سے پہلے پہلے ان شاء اللہ دوبارہ آئے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لیے بشارتیں دے رکھی ہیں۔ اب وہ عالمگیر (global) ہوگا یعنی پورے کرۂ ارضی پر آئے گا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں واضح کیا کہ احیاءِ اسلام کے لیے کام کی دو نوعیتیں ہوں گی' ایک علمی کام اور دوسرا تحریکی کام۔

اقامتِ دین کے لیے علمی کام

علمی کام کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ نے تحریر کیا کہ ہمیں اُس کتاب پر توجہ دینی ہوگی جو واقعتاً تمام علوم کا خزانہ ہے' یعنی قرآنِ کریم۔ قرآنِ کریم کے حوالے سے دو سطحوں پر کام کرنا ہوگا۔ ایک عوام الناس کی سطح پر اور دوسرا خواص یعنی معاشرہ کے ذہین و فہیم عناصر کی سطح پر جو ازخود معاشرہ کی فکری رہنمائی کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ عوام الناس کو تو آگاہ کرنا ہوگا کہ اُمتِ مسلمہ کے موجودہ زوال کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآنِ کریم سے دوری ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ)) (مسلم)

''بے شک اللہ اِس کتاب (قرآن) کے ذریعہ قوموں کو عروج دے گا اور اِس کتاب کو چھوڑنے کی وجہ سے دوسروں کو پست کر دے گا۔''

اِس حدیثِ مبارکہ کی اقبال نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر!

لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۶۷ء ہی میں ایک اور کتاب تحریر کی ''مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق''۔ اِس کتاب کے بعد ازاں عربی' انگریزی' فارسی' پشتو' سندھی' ملائی اور کئی دوسری زبانوں میں تراجم شائع ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ اِس کتاب میں عوام الناس کو بتایا گیا کہ قرآنِ مجید کا حق صرف یہ نہیں ہے کہ اِس کو چوم لیا جائے اور بغیر سمجھے صرف ثواب کی نیت سے تلاوت کر لی جائے۔ بلاشبہ قرآنِ مجید کے ہر حرف کی تلاوت پر اجر و ثواب ملتا ہے' لیکن اِس کتاب کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں:

(۱) دل سے یقین لایا جائے کہ قرآنِ مجید اللہ کا کلام ہے۔
(۲) روزانہ قرآنِ مجید کی آداب اور قواعد کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔
(۳) قرآنِ مجید کو سمجھا جائے۔
(۴) قرآنِ مجید کے احکامات پر عمل کیا جائے' یعنی جہاں اختیار ہے وہاں فوری عمل کیا جائے اور جہاں اختیار نہیں وہاں عمل کرانے کے لیے جدوجہد کی جائے۔
(۵) قرآنِ مجید کی تعلیمات دوسروں تک پہنچائی جائیں۔ بخاری شریف میں روایت ہونے والے یہ ارشادات سامنے رہیں کہ:

((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ))

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔''

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً))

''میری طرف سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی آیت۔''

قرآنِ کریم کے حوالے سے علمی کام کی دوسری سطح خواص کے لیے ہے' یعنی معاشرے کے وہ ذہین اور قائدانہ صلاحیت کے لوگ جو معاشرہ کا رُخ بدلنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جدید اور دینی دونوں طرح کے علوم سیکھنا ہوں گے۔ فلسفہ اور سوشل سائنسز سے متعلق جدید علوم میں سے کسی ایک شعبہ میں مہارت حاصل کرنا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ پختہ بنیاد پر علومِ قرآنی بھی سیکھنا ہوں گے۔ اب اللہ کرے کہ اگر یہ لوگ قرآن سے متاثر ہو جائیں' قرآن اُنہیں ہر سوال کے حوالے سے مطمئن کر دے تو اب یہ ہوں گے جو اقامتِ دین کے پاکیزہ مشن کے لیے اعلیٰ علمی سطح کے تین کام کر سکیں گے:

(۱) اُس مغربی فکر اور فلسفہ کا رد کرنا جو اِس وقت عالمی سطح پر ذہنوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے۔ جیسے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' (The Quran & Modern Knowledge) میں کئی مغربی فلسفوں کا تجزیہ کر کے اُن کے صحیح اور غلط اجزاء کو علیحدہ کیا ہے اور اُن کی کمزوریوں کی قرآن کی روشنی میں اصلاح کی ہے۔
(۲) اسلام کے عقائد اور تعلیمات کو دورِ جدید کے عقلی معیارات پر اِس طرح مدلّل اسلوب میں پیش کرنا کہ عالمی سطح پر اسلام کی حقانیت لوگوں کے دل و دماغ میں ثبت ہو جائے۔ جیسے فرانسیسی سرجن ڈاکٹر مورس بکائی نے کتاب لکھی: ''بائبل' قرآن اور سائنس''

(The Bible, the Quran and Science) اور سائنس کے کئی شعبوں سے مثالیں دے کر ثابت کیا کہ سائنس بڑی محنت اور تحقیق کے بعد جن حقائق تک پہنچی ہے' قرآن میں وہ باتیں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں۔

(۳) عصرِ حاضر کے اعتبار سے اسلام کے سیاسی' معاشرتی اور معاشی نظام کو مرتب کرنا اور واضح کرنا کہ اسلام موجودہ دور میں سامنے آنے والے اجتماعی زندگی کے مسائل کا کیا حل پیش کرتا ہے۔

مذکورہ بالا علمی کاموں کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے قرآن اکیڈمیز قائم کرنے کا تصور دیا۔ اِن اکیڈمیز میں وہ تمام سہولیات فراہم کی جائیں جن کے ذریعہ پیشِ نظر علمی کام کے لیے مطلوب باصلاحیت افراد تخلیقی' تحقیقی' تدریسی' تبلیغی اور تصنیفی کام کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی خوش نصیبی رہی کہ اللہ نے اُنہیں اپنے لائحۂ عمل کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ علمی کام کے لیے اُنہوں نے ۱۹۷۲ء مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی۔ اِس انجمن کے تحت ۱۹۷۵ء میں لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوئی۔ بعد میں کئی شہروں میں مرکزی انجمن کی شاخیں قائم ہوئیں۔ کراچی میں انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی ہے' جس کے تحت اللہ کے فضل سے تین اکیڈمیز کام کر رہی ہیں۔ اِسی طرح ملتان' فیصل آباد اور کوئٹہ میں مقامی انجمنوں کے تحت قرآن اکیڈمیز قائم ہوئیں۔ اِن اکیڈمیز کے تحت حسبِ ذیل سرگرمیاں انجام دی جا رہی ہیں:

(۱) ایک سالہ قرآن فہمی کورسز کا انعقاد جن سے سینکڑوں کی تعداد میں ایسے مدرسین و مدرسات تیار ہوئے جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے طرزِ پر دروسِ قرآن دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ اِن میں سے بعض نے اپنی پوری زندگیاں قرآنِ حکیم کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔

(۲) شام کے اوقات یا چھٹی کے دن مختلف دورانیہ کی عربی گرامر کلاسز کا انعقاد۔

(۳) قرآن فہمی اور علومِ دینی کی تدریس کے لیے مختلف دورانیہ کے کورسز کا انعقاد۔

(۴) مختلف اداروں' درس گاہوں اور ٹی وی چینلز پر لیکچرز کا انعقاد۔

(۵) مختلف مقامات پر عوامی سطح پر دروسِ قرآن اور خطابات کا انعقاد۔

(۶) رمضان المبارک کے دوران نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا انعقاد۔

(۷) مختلف ٹی وی چینلز پر نشر کرنے کے لیے دروس' خطابات اور کورسز کی تیاری و ریکارڈنگ۔

(۸) ملک اور بیرونِ ملک سے اہم مشاہیر اور صاحبانِ علم کو مدعو کرنا اور اُن کے خطابات و لیکچرز کا انعقاد۔ پھر ان بیانات کی تحریری صورت میں اشاعت۔

(۹) جیّد علماء کرام اور دینی اسکالرز کی اہم دینی موضوعات پر کتب کی اشاعت۔
(۱۰) اہم دینی موضوعات پر مضامین اور کتب کی تصنیف اور اشاعت۔
(۱۱) اہم دینی موضوعات پر دروس، خطابات اور لیکچرز کی ریکارڈنگ، آڈیو، ویڈیو کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی تیاری۔

یہ ہے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ؒ کے مشن کا ایک پہلو یعنی ''علمی کام''۔ جو لوگ بھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ سے محبت کرتے ہیں تو اُنہیں ڈاکٹر صاحبؒ کے مشن میں شریک ہونا چاہیے۔ علمی کام کے حوالے سے ہم اِس مشن میں اِس طرح سے حصہ لے سکتے ہیں:

i) علمی کام کی انجام دہی کے لیے درکار وسائل کی فراہمی کے لیے مالی تعاون کرنا۔ اِس کے لیے مناسب ہوگا کہ مرکزی انجمن یا اُس کی کسی بھی شاخ کی رکنیت حاصل کرنا اور اپنی حیثیت کے مطابق ماہانہ بنیادوں پر مالی اعانت کرنا۔

ii) انجمن کے تحت منعقد ہونے والے دروس، خطابات اور کورسز میں شرکت کے لیے وقت فارغ کرنا۔ خاص طور پر ایک سالہ قرآن فہمی کورس میں شرکت کی کوشش کرنا۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین غور کریں کہ اُنہوں نے جدید تعلیم سیکھنے کے لیے کتنے سال لگائے ہیں اور کتنے وسائل صرف کیے ہیں؟ کیا وہ اللہ کی کتاب سیکھنے کے لیے ایک سال نہیں لگا سکتے؟ الحمدللہ! اِس کورس میں اتنی عربی سکھا دی جاتی ہے اور علومِ قرآنی سے اِس قدر تعارف کرا دیا جاتا ہے کہ پھر آپ بحرِ قرآنی میں غوطہ لگانا سیکھ جاتے ہیں۔ اِس کے بعد آپ کی محنت اور خلوص پر منحصر ہے کہ آپ کس قدر گہرائی میں جا کر حکمتِ قرآنی کے موتی تلاش کر سکتے ہیں۔

iii) انجمن کے کورسز سے استفادہ کے بعد دوسروں تک یہ نورِ قرآن پہنچانا تاکہ اپنے لیے صدقۂ جاریہ کا سامان ہو سکے اور اُن خوش نصیبوں میں شامل ہونے کا امکان پیدا جائے جن کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔''

iv) انجمن کے انتظامی و مالی امور کی نگرانی کے لیے وقت دینا تاکہ علمی سرگرمیاں احسن طور پر ادا کی جا سکیں۔

v) انجمن کے تحت تیار ہونے والا دینی مواد یعنی کتب، کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز سے استفادہ کرنا اور اِسے احباب تک پہنچانا تاکہ نورِ قرآن عام ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں اقامتِ دین کے حوالے سے مذکورہ بالا علمی

کام کے لیے اپنا حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اقامتِ دین کے لیے تحریکی کام

اقامتِ دین کے مشن کے حوالے سے دوسرا کام جو ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی کتاب ''اسلام کی نشأۃِ ثانیہ .....کرنے کا اصل کام'' میں بیان کیا وہ ہے تحریکی کام۔ اِس کے لیے عمومی دعوت وتبلیغ کا ایسا ادارہ بنانا جس کے تحت گلی گلی اور کوچہ کوچہ عوام تک پہنچنا' اُنہیں اُن کی دینی ذمہ داریوں کا شعور دلانا' نظامِ باطل کے خلاف اُن میں نفرت پیدا کرنا' نظام کی تبدیلی کے لیے مسنون طریقہ کار سے آگاہ کرنا اور اُنہیں اِقامتِ دین کے حوالے سے عملی کام کی اہمیت سے روشناس کرانا' تاکہ مطلوبہ صلاحیت کے افراد اور وسائل مہیا کیے جاسکیں۔

تحریکی کام کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی جو مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی جدوجہد کو نہ صرف جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ بتدریج اپنی سرگرمیوں کو وسعت دے رہی ہے۔ اقامتِ دین کے حوالے سے تنظیم اسلامی عوام الناس میں تین کام کر رہی ہے:

(۱) دینی ذمہ داریوں کا شعور اُجاگر کرنا: اقامتِ دین کے حوالے سے پہلی منزل ہے اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ!''

اگر ایک فرد اپنی ذات پر دین غالب نہ کرے اور چاہے کہ پورے ملک میں دین غالب ہو جائے تو اس کی یہ روش درست نہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ:٤٤)

''کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو؟''

پہلا کام یہ ہے کہ جہاں اختیار ہے وہاں پورے کے پورے دین پر عمل کی کوشش کی جائے۔ اپنی معیشت کو حرام کی ہر صورت سے بچایا جائے۔ اپنی معاشرت کو بے حیائی' بے پردگی' مخلوط محفلوں میں شرکت' ڈراموں' فلموں اور ہر بیہودگی سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ تمام رسومات میں خلافِ شرع خرافات اور بدعات سے اجتناب کیا جائے۔ گویا جملہ فرائض ادا کیے جائیں اور اللہ کی نافرمانی کی ہر صورت سے بچا جائے۔ یہ ہے اقامتِ دین کا پہلا مرحلہ۔

اقامتِ دین کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ دین پورے معاشرے میں قائم و نافذ ہو۔ اِس کے

لیے ایک جماعت یعنی حزب اللہ درکار ہوگی۔ ایک زمانے میں بیک وقت دو پیغمبر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام موجود تھے۔ اُن دونوں کی شدید خواہش تھی کہ معاشرے میں اقامت دین ہو۔ وہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں کہ سامنے فلسطین کی سرزمین ہے جو ہمارے آباء واَجداد کی سرزمین ہے۔ اِس وقت اُس پر عمالقہ نامی قوم نے قبضہ کر رکھا ہے اور اِس سرزمین کو شرک کا اڈہ بنا دیا ہے۔ آؤ ہم اِس قوم کے خلاف جنگ کریں اور فلسطین کی مقدس سرزمین سے اُنہیں نکال کر وہاں تورات کی تعلیمات پر مبنی ایک عادلانہ معاشرہ قائم کر کے دکھائیں۔ قوم کی بدقسمتی کہ اُس نے پیغمبروں کا ساتھ دینے سے انکار کیا اور کورا جواب دے دیا:

﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اے موسیٰ! ہم اِس (بستی) میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے کبھی بھی جب تک کہ وہ اِس بستی میں موجود ہیں۔ پس جایئے آپ اور آپ کا رب دونوں لڑائی کیجیے' بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں۔''

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اقامتِ دین کی حسرت لیے دنیا سے چلے گئے لیکن دین قائم نہ ہوسکا۔ اِس لیے کہ یہ دین قائم ہوتا ہے جماعت کے ذریعے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں دین قائم ہوگیا۔ کیوں؟ اِس لیے کہ ایک ایسی جماعت فراہم ہوگئی جس نے اقامتِ دین کے لیے جان و مال کی قربانیوں کی عظیم داستان رقم کردی۔ بدر کے معرکہ سے قبل جب نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم اصحابِ موسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کے لڑیئے' آپ حکم دیجیے' یہ مکہ کیا ہے' ہم جنوب میں یمن تک چلے جائیں گے' بلکہ ہم اِس سے آگے اپنی سواریاں سمندر میں داخل کر دیں گے۔ کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعہ سے آپ ﷺ کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔ جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے پسینہ بہایا وہاں اُنہوں نے اپنا خون بہایا اور اِس کے بعد دین غالب ہوگیا۔ گویا دین غالب ہوگا ایک جماعت کے ذریعہ۔ بغیر جماعت کے یہ منزل سر نہیں ہوسکتی۔

پورے معاشرے میں اقامتِ دین کے لیے جماعت فراہم ہوگی دعوت کے عمل سے۔ ہمیں لوگوں کو دعوت دینی ہوگی کہ خود بھی اللہ کے دین پر پوری طرح سے عمل کریں اور باہم مل کر پورے معاشرے میں اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے سرگرم ہو جائیں۔ یہی ہمارے لیے دنیا و

لیے ایک جماعت یعنی حزب اللہ درکار ہوگی۔ ایک زمانے میں بیک وقت دو پیغمبر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام موجود تھے۔ اُن دونوں کی شدید خواہش تھی کہ معاشرے میں اقامت دین ہو۔ وہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں کہ سامنے فلسطین کی سرزمین ہے جو ہمارے آباء واجداد کی سرزمین ہے۔ اِس وقت اُس پر عمالقہ نامی قوم نے قبضہ کر رکھا ہے اور اِس سرزمین کو شرک کا اڈہ بنا دیا ہے۔ آؤ ہم اِس قوم کے خلاف جنگ کریں اور فلسطین کی مقدس سرزمین سے اُنہیں نکال کر وہاں تورات کی تعلیمات پر مبنی ایک عادلانہ معاشرہ قائم کر کے دکھائیں۔ قوم کی بدقسمتی کہ اُس نے پیغمبروں کا ساتھ دینے سے انکار کیا اور کورا جواب دے دیا:

﴿یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اے موسیٰ! ہم اِس (بستی) میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے کبھی بھی جب تک کہ وہ اِس بستی میں موجود ہیں۔ پس جایئے آپ اور آپ کا رب دونوں لڑائی کیجیے' بے شک ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں۔''

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اقامتِ دین کی حسرت لیے دنیا سے چلے گئے لیکن دین قائم نہ ہوسکا۔ اِس لیے کہ یہ دین قائم ہوتا ہے جماعت کے ذریعے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں دین قائم ہوگیا۔ کیوں؟ اِس لیے کہ ایک ایسی جماعت فراہم ہوگئی جس نے اقامتِ دین کے لیے جان و مال کی قربانیوں کی عظیم داستان رقم کردی۔ بدر کے معرکہ سے قبل جب نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم اصحابِ موسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کے لڑیئے' آپ حکم دیجیے' یہ مکہ کیا ہے' ہم جنوب میں یمن تک چلے جائیں گے' بلکہ ہم اِس سے آگے اپنی سواریاں سمندر میں داخل کر دیں گے۔ کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعہ سے آپ ﷺ کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔ جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے پسینہ بہایا وہاں اُنہوں نے اپنا خون بہایا اور اِس کے بعد دین غالب ہوگیا۔ گویا دین غالب ہوگا ایک جماعت کے ذریعہ۔ بغیر جماعت کے یہ منزل سر نہیں ہوسکتی۔

پورے معاشرے میں اقامتِ دین کے لیے جماعت فراہم ہوگی دعوت کے عمل سے۔ ہمیں لوگوں کو دعوت دینی ہوگی کہ خود بھی اللہ کے دین پر پوری طرح سے عمل کریں اور باہم مل کر پورے معاشرے میں اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے سرگرم ہو جائیں۔ یہی ہمارے لیے دنیا و

آخرت میں خسارے سے بچنے اور کامیابی کے حصول کا راستہ ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۱۲﴾ (الصف)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں بچا لے دردناک عذاب سے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں داخل فرمائے گا اُن باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور داخل کرے گا اُن پاکیزہ گھروں میں جو رہنے والے باغات میں ہیں' اور وہی ہے شاندار کامیابی۔''

بخاری شریف کی روایت ہے' آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ایسا جہاد جس کا مقصد اللہ کے کلمہ کی سربلندی ہو'' یعنی اقامتِ دین۔ اِن آیاتِ مبارکہ میں ہمارے سب سے بڑے مسئلہ کا حل بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ مسئلہ ہے روزِ قیامت دردناک عذاب یعنی جہنم سے بچاؤ۔ اِس کے لیے ہمیں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر دل سے ایمان لانا ہوگا اور مال و جان سے اقامتِ دین کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ اِن دو کاموں کے بغیر جہنم سے بچاؤ ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس اعتبار سے عمل کی اور دوسرے بھائیوں کو بھی جہنم سے بچانے کے لیے دعوت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! اِس دعوت کے ذریعہ سے لوگوں کو متحرک (motivate) اور جمع کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ایک ایسی جماعت وجود میں آجائے جو نظامِ باطل سے ٹکرائے اور اُسے نیست و نابود کر کے اللہ کا دین غالب کر سکے۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے جب تنظیم اسلامی بنائی تو اِس کی اساس بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف پر رکھی۔ یہی وہ اساس ہے جو قرآن و سنت اور سلف صالحین کے طریقہ سے ماخوذ ہے۔ جماعت سازی کا الیکشن اور صدارت والا طریقہ مغرب سے درآمد شدہ ہے اور جماعت کے اندر گروپنگ کا سبب بنتا ہے' بقول اقبال: ؎

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

جب ہمارے پاس ہر عمل کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی موجود ہے تو پھر اغیار کے طریقے اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ تحریکی اعتبار سے ڈاکٹر صاحبؒ کے مشن میں شریک ہونے کے لیے ہمیں تنظیم اسلامی میں نہ صرف شمولیت اختیار کرنی چاہیے بلکہ فعال طور پر مال وجان سے نظم کے تقاضوں کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ایسا کرنا آسان فرمائے۔ آمین!

(۲) موجودہ ظالمانہ اور طاغوتی نظام کے خلاف نفرت پیدا کرنا: تنظیم اسلامی دوسرا کام یہ کرتی رہی ہے کہ عوام الناس میں یہ احساس پیدا کرے کہ وہ اس وقت جس نظام کے تحت جی رہے ہیں اور اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں وہ کافرانہ، ظالمانہ اور اللہ کی بغاوت پر مبنی ہے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (المائدۃ)
''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ)
''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظالم (یعنی مشرک) ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ)
''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق (یعنی باغی) ہیں۔''

قرآنِ حکیم کی اِن تینوں وعیدوں کا آج ہم پر اطلاق ہو رہا ہے۔ آج ہمارے ہاں ایسا نظام قائم ہے جس میں اللہ کے احکام کے مطابق نہ حکومت کی جا رہی ہے اور نہ فیصلے۔ سورۃ المائدۃ میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ﴾ (المائدۃ : ٦٨)

''اے اہل کتاب! تم کسی بنیاد پر ہی نہیں جب تک قائم نہ کرو تورات کو اور انجیل کو اور جو بھی کلام تم پر نازل ہوا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔''

اِس آیت میں خطاب اہل کتاب سے ہے' لیکن ہمیں بھی خبردار کیا جارہا ہے کہ جب تک اللہ کے احکام کا نفاذ نہیں ہوگا ہماری اللہ کی نظر میں کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔ آج ہم اللہ سے کس منہ سے دعا کریں؟ اِس لیے کہ ہم ایک ایسے نظام کو ٹیکس دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں جہاں اللہ کی مرضی نہیں چلتی بلکہ انگریز کا قانون چلتا ہے۔ جب ہم اللہ کی نہیں مان رہے تو اللہ ہماری دعائیں کیونکر پوری کرے گا؟ ہم اذان اور نماز میں بار بار کہتے ہیں ''اللہ اکبر''.....اللہ سب سے بڑا ہے۔ لیکن کیا ہماری پارلیمنٹ میں اللہ بڑا ہے؟ کیا وہاں پر اللہ کی مرضی کے مطابق قانون سازی ہوتی ہے؟ کیا ہماری عدالتوں میں اللہ بڑا ہے؟ کیا وہاں شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ کیا ہماری منڈیوں میں اللہ بڑا ہے؟ کیا وہاں لین دین میں شرعی تقاضے پورے کیے جاتے ہیں؟ کیا اسٹاک ایکسچینج میں اللہ بڑا ہے؟ کیا وہاں کاروبار میں حلال و حرام کی تمیز کی جاتی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے ''اللہ اکبر'' لیکن عمل میں تو کہیں بھی اللہ کی بڑائی نافذ نہیں ہے۔ آج اللہ تعالیٰ ہمیں للکار رہا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصف)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ بہت بیزار کرنے والی ہے یہ بات اللہ کے نزدیک کہ تم وہ کہو جو کرو نہیں۔''

ہمیں موجودہ نظامِ باطل سے نفرت کرنی چاہیے۔ اِسے نہ ذہنی طور پر قبول کرنا چاہیے اور نہ دلی طور پر۔ اِس نظام کے تحت ہمیں مجبوراً (under protest) زندگی بسر کرنی چاہیے اور اِس کی خدمت کو گناہ سمجھنا چاہیے۔ اِس کے تحت کیریئر بنانے کی فکر یا کاروبار اور جائیداد کو توسیع دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کم سے کم پر قناعت کرنی چاہیے تاکہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی صرف بنیادی ضروریات فراہم کی جاسکیں۔ نظامِ باطل سے استفادہ کرنا گناہ ہے' جس کا کفارہ یہ ہے کہ اِس کے خلاف تن من دھن سے جہاد کیا جائے۔

(۳) نظام کی تبدیلی کے لیے طریقۂ کار واضح کرنا: تنظیم اسلامی تیسرا کام یہ کر رہی ہے کہ موجودہ حالات میں اقامتِ دین کا طریقۂ کار لوگوں پر واضح کر رہی ہے۔ لوگوں کو یہ بات

سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ :

(۱) اقامتِ دین کا کام محض دعاؤں کے ذریعہ سے نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوسکتا تو اللہ کے رسول ﷺ کو اِس راہ میں قطعاً کوئی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی دعا پوری نہ کرتا تو اور کس کی کرتا؟ لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اِس راہ میں اپنے دانت شہید کروائے' طائف کے بازار میں لہولہان ہوئے' پیٹ پر پتھر باندھے اور اپنے بڑے پیارے تربیت یافتہ ساتھیوں کے لاشے دیکھے۔ اِس کے بعد کہیں جا کر اقامتِ دین کی منزل سر ہوئی۔ اللہ کی مدد کے حصول کے لیے دعا کی بھی ضرورت ہے لیکن یہ کام محض دعاؤں سے نہیں ہوسکتا۔

(۲) یہ کام محض وعظ و نصیحت اور تبلیغ سے نہیں ہوسکتا۔ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ مؤثر تبلیغ کس کی ہوسکتی تھی؟ لیکن آپ ﷺ کو بھی زبانی تبلیغ کے بعد نہی عن المنکر بالید یعنی ہاتھ سے برائی کو روکنا پڑا اور ہاتھ میں تلوار اُٹھانی پڑی۔

(۳) اِسی طرح سے یہ کام کسی پر امن اور دستوری طریقہ سے نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں اِس مقصد کے لیے دینی جماعتوں نے انتخابات کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ پُرامن طریقہ ہے' لیکن دنیا میں آج تک کبھی بھی ظالموں نے اپنے مفادات کو پر امن طریقے سے نہیں چھوڑا۔ ظالم اپنی عیاشیوں کو کبھی بھی آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا ظالموں کے منہ سے دوسروں کا نوالا چھیننا پڑتا ہے۔ سورۃ الحدید (آیت ۲۵) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔''

آیت کے اگلے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ اتنے اہم کہ پوری سورۂ مبارکہ کا نام الحدید ہے' فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵﴾

''اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صلاحیت (یعنی جنگی قوت) ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں' تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے

اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

جو شخص لوٹ مار کر رہا ہے کیا وہ آسانی سے لوٹ مار چھوڑ دے گا؟ نہیں' اُس کے خلاف تلوار اٹھانی پڑے گی۔ اُس کے خلاف طاقت ہاتھ میں لینی پڑے گی۔ اِس کے لیے تصادم ناگزیر ہے۔ اِس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا۔

اقامتِ دین کے لیے طریق کار کیا ہوگا؟ اِس کی وضاحت ڈاکٹر صاحبؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''منہج انقلابِ نبوی ﷺ'' میں کر دی ہے۔ پھر اِسی کا خلاصہ ایک اور تصنیف ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' میں بیان کر دیا ہے۔ اِس طریقِ کار کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت کے ذریعہ سے ایک جماعت فراہم کی' اُس کی تربیت کی' اُس جماعت کو نظم کا خوگر بنایا اور اِس کے بعد اِس جماعت کو نظامِ باطل کے ساتھ ٹکرایا۔ بدر میں پہلا تصادم ہوا' پھر اُحد اور پھر خندق کے معرکے ہوئے۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ کا مرحلہ آیا اور پھر فتح مکہ کے موقع پر دین غالب ہو گیا:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ (بنی اسرائیل)

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' اور بے شک باطل ہے ہی مٹنے کے لیے۔''

آج بھی اقامتِ دین کے لیے یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ دعوت کے ذریعے سے اللہ کے بندوں کو جمع کرنا ہوگا۔ اپنی ذات پر بھی دین نافذ کرنا ہوگا اور دوسروں کو بھی اِس کی تلقین کرنی ہوگی کہ خود دین پر عمل کریں اور دوسروں کو اقامتِ دین کے مشن کے لیے جمع کریں۔ جب اللہ کرے کہ باعمل اور تربیت یافتہ ساتھیوں کی اتنی افرادی قوت فراہم ہو جائے کہ ہم ایک مؤثر پریشر گروپ بن جائیں تو اب اگلا مرحلہ تصادم کا ہوگا۔

دورِ حاضر میں تصادم کے حوالے سے کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جس دائرۂ کار میں انقلاب کی تکمیل فرمائی' وہاں ایک منظم ریاست قائم نہ تھی۔ ہمیں اِس وقت ایک ایسے معاشرے میں کام کرنا ہے جہاں ایک ریاست منظم اور مؤثر طاقت کے ساتھ کارفرما ہے' اور وہ نہ صرف اجتماعی بلکہ بعض اعتبارات سے انفرادی معاملاتِ زندگی پر بھی حاوی ہے۔ پھر ریاست میں برسرِ اقتدار طبقہ کے پاس اپنے قائم کردہ نظام کے تحفظ کے لیے ہر طرح کے اسباب و وسائل اور لاکھوں کی تعداد میں جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہمہ وقت اور تربیت یافتہ افواج موجود ہیں۔ دوسری طرف عوام بالکل نہتے ہیں۔ اِس وجہ سے حکومت کے خلاف کسی مسلح تصادم میں کامیابی کا امکان محال نظر آتا ہے۔

مسلح تصادم کے حوالے سے دوسری مشکل یہ ہے کہ دورِ نبوی ﷺ میں ایک طرف مسلمان جبکہ دوسری طرف کافر تھے۔ جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے وہ مسلمان تھے اور جو ایمان نہیں لائے وہ کافر تھے۔ لہٰذا وہاں بالکل دوٹوک مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ تھی۔ یہاں یہ معاملہ نہیں ہے۔ یہاں ایک بگڑا ہوا مسلمان معاشرہ ہے۔ فقہی اور قانونی اعتبار سے یہاں لوگ مسلمان ہیں' خواہ کوئی فاسق ہے یا فاجر' اور مسلمان کے کچھ حقوق ہیں۔ مقابلہ باطل نظام کے محافظ کلمہ گو مسلمانوں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تمام مسلمانوں کی جان' مال اور آبرو کو محترم قرار دیا۔ کسی مسلمان کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کے حوالے سے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)) (بخاری)

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ کلمہ گو مسلمان حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لیے فقہاءِ احناف نے دو شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی یہ کہ حکمران کھلم کھلا کفر کا نفاذ کر رہے ہوں اور دوسری یہ کہ مناسب اسباب اِس حد تک فراہم کر لیے جائیں کہ فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ موجودہ دور میں اسباب یعنی ہتھیاروں اور عسکری تربیت کے اعتبار سے حکومت اور عوام میں بہت زیادہ عدم توازن ہے اور حکومت کے ساتھ مسلح تصادم کی صورت میں فتح کا امکان محسوس نہیں ہوتا۔ گوریلا جنگ کے ذریعے حکومت کو نقصان تو پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس طرح اقتدار حاصل کر کے دین قائم کر دینا ممکن نہیں۔

مذکورہ بالا دو مشکلات کے پیش نظر تصادم کے مرحلہ کے لیے محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے ''نہی عن المنکر بالید اور حدود اللہ کی حفاظت'' کی صورت میں اقدام تجویز کیا۔ یہ اقدام پُرامن اور غیر مسلح منظم احتجاج کی صورت میں کیا جائے گا۔ اِس احتجاج میں کسی ایسے منکر کے خلاف احتجاج کرنا ضروری ہوگا جس کا خلافِ شرع ہونا تمام دینی طبقات کے نزدیک مسلّم ہو۔ مثال کے طور پر عریانی وفحاشی کی اشاعت' سودی معیشت کی ترویج وغیرہ۔ ایسے منکر کے خلاف اقدام ریاست کے اہم اداروں کے پرامن گھیراؤ اور سول نافرمانی کی تحریک کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اِن پُرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے سے حکومتِ وقت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اُس منکر کا قلع قمع کرے اور اِس کے سدِباب کے لیے قانون سازی کرے۔ یہ طریقہ حکومت کے خلاف بغاوت کا نہیں اور نہ ہی قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کا ہے۔ پھر اِس طریقہ میں اقتدار

کی طلب بھی نہیں' بلکہ مسلمان حکمرانوں سے مسلم معاشرے میں منکرات کو ختم کرنے اور شریعت اسلامی کے مطابق قانون سازی کرنے کا مطالبہ ہے۔ اگر حکومت یہ مطالبہ نہیں مانتی تو پھر مظاہرین کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے' تشدد برداشت کرنے اور یہاں تک کہ جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ طرزِ عمل اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اُسوہ کے مطابق ہوگا جنہوں نے مکی دَور میں ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں لیکن جواب میں کوئی اقدام نہ کرتے ہوئے اپنے موقف پر ڈٹ کر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

پُرامن اور منظم احتجاج کے تین ممکنہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں :

(i) حکومت اِن مظاہروں کے نتیجے میں پسپائی اختیار کرے اور منکرات کے خاتمے اور حدود اللہ کے نفاذ کا آغاز کر دے۔ اِس طرح پورا نظام درست ہونے تک یہ جدّوجُہد جاری رہے گی۔

(ii) حکومت انقلابی تحریک کو اپنے خلاف انا کا مسئلہ بنالے اور اپنی بقاء اور مفادات کے تحفظ کے لیے تحریک کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کرے۔ اِس صورت میں حکومت پر قابض مفاد یافتہ طبقات' ریاست کی پولیس' فوج اور وسائل کو اِس تحریک کے خلاف بے دریغ استعمال کریں گے۔ گرفتاریاں ہوں گی' تشدد کیا جائے گا اور جانیں لی جائیں گی۔ اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو انتظامیہ کتنوں کو گرفتار کرے گی اور کتنوں کو شہید کرے گی؟ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی دینی بھائی اور ہم وطن ہیں۔ یہ کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اُس کے قیام و نفاذ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا اور' اِن شاء اللہ' انقلابی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

(iii) اگر حکومتِ وقت اِس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے تو جن لوگوں نے اِس راستے میں جانیں دی ہوں گی' اُن کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ اِن شاء اللہ وہ اجرِعظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔ اِن شاء اللہ' جلد یا بدیر کوئی نئی اسلامی انقلابی تحریک اُبھرے گی جو طاغوتی' استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی۔ اِس طرح وہ وقت آ کر رہے گا جس کی خبر الصادق والمصدوق ﷺ نے دی ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین اِسی طرح غالب ہو کر رہے گا جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔ گویا:۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

یہ ہے اقامتِ دین کے لیے لائحۂ عمل جو ڈاکٹر صاحبؒ نے پیش کیا۔ دعوت و تربیت کے ذریعہ جماعت کو زیادہ سے زیادہ افرادی قوت فراہم کرتے رہو۔ مناسب قوت کی فراہمی تک کسی اشتعال سے مشتعل نہ ہو اور جلد بازی نہ کرو۔ عجلت میں اگر نظامِ باطل کو چھیڑ دیا تو کچل دیے جاؤ گے۔ سوچئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکی دور میں عین حرم میں بتوں کو دیکھ کر کس قدر غصہ آتا ہوگا! پھر جب اُن کی دینی بہن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کیا گیا ہوگا تو اُن کا خون کتنا کھولا ہوگا۔ لیکن حکم یہ تھا کہ ابھی قوت نہیں ہے' ابھی برداشت کرو' ابھی اپنے سینے میں اس غصے کو اور پکاؤ۔ بقول اقبال:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینے اِسے اور ذرا تھام ابھی!

الحمدللہ! جب قوت آگئی تو بتوں کو بھی توڑا اور ایک ایک ظالم سے اُس کے ظلم کا بدلہ بھی لیا۔

عاجزانہ گزارش

ڈاکٹر صاحبؒ کے وصال پر محسوس ہوا کہ بڑی کثیر تعداد میں لوگوں کو اُن سے محبت تھی۔ اِس محبت کا تقاضا ہے کہ ہم ڈاکٹر صاحبؒ کے مشن میں شریک ہو جائیں۔ اقامتِ دین کے لیے علمی کام میں بھی تعاون کریں اور تحریکی کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے صرف ذاتی اعتبار سے عمل یا محض علمی کام ہی نہیں کیا' بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ دین کے غلبے کے لیے ایک بھرپور جدوجہد کی۔ تبلیغ کے ذریعے سے اپنی جماعت کی تعداد کو بڑھایا اور جب جماعت کی تعداد مؤثر ہوگئی تو اس کے بعد باطل سے ٹکرائے اور دین کو غالب کیا۔ علمی کام کے لیے انجمن خدام القرآن کی رکنیت اختیار کیجیے اور تحریکی کام کے لیے تنظیم اسلامی میں شامل ہوں اور اِس کے لیے امیر تنظیم جناب حافظ عاکف سعید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ باوجود کئی بیماریوں' معذوریوں اور بڑھاپے کے' آخری عمر تک بڑے جوش اور ولولہ کے ساتھ ہمیں اقامتِ دین کے اعلیٰ ترین مشن کی طرف دعوت دیتے رہے۔ وہ وقتی طور پر ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ عنقریب روزِ قیامت اُن سے ملاقات ہوگی۔ اگر ہم نے اُن کے مشن کو آگے بڑھایا تو یہ ملاقات خوشگوار ہوگی' ہم اُن کے لیے صدقۂ جاریہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہی سب سے احسن طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! oo

”عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا!“

ہم سے جو ہو سکا سو کر گزرے
دوستو! اب تمہاری باری ہے

بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی رحلت پر اُن کے ایک دیرینہ ساتھی
قاضی عبدالقادر کی ایک تاثراتی تحریر

دَھپ‘ دَھپ‘ دَھپ‘ دَھپ

کوئی میرے کمرے کے دروازہ پر ہاتھ مار رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ یہ میرا بیٹا خبیب تھا۔ وہ رنج واندوہ کی کیفیت میں بولا ”ابو! ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہو گیا۔“ — ”کون ڈاکٹر صاحب؟“ میں نے پوچھا — ”جی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب“ اُس نے انتہائی افسردگی سے جواب دیا — مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ میرا سر چکرا گیا — ایں‘ ڈاکٹر صاحب — کیا ڈاکٹر صاحب واقعی اللہ کو پیارے ہو گئے! ہمیں چھوڑ کر چلے گئے! دل نہیں مانتا تھا۔ خبیب نے بتایا کہ لاہور سے فون آیا ہے کہ رات تین بجے کے قریب‘ اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی — صبح ساڑھے تین بجے کا وقت یعنی صبح صادق سے کچھ قبل جب کائنات سوئے ہوئے ہوتی ہے۔ ایک ملکوتی سماں ہوتا ہے اور ستارے ٹوٹنے کی تیاری کرتے ہیں‘ ہمارا یہ محبوب قرآنی علم و دانش کا ستارہ بھی اس ارضِ فانی سے ٹوٹ کر جنت کے حسیں باغوں میں جا گرا — میں نے فوراً ہی پڑھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹنا ہے — ساڑھے تین بجے شب — جدائی کا وقت — اس سے تین ہی گھنٹے قبل ہی تو رات بارہ بجے میری عارف میاں (ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے اور میرے داماد) سے فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی صبح سے طبیعت زیادہ خراب ہے‘ کمر میں بہت شدید درد ہے‘ کمزوری بہت بڑھ گئی ہے‘ ڈاکٹر عامر عزیز انہیں دیکھنے آئے‘ کمر درد کے

لیے نسخہ لکھ کر دیا اور کچھ دیر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے بھی رہے —! عارف میاں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کی سانس نسبتاً تیز چل رہی ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح طور پر بات بھی نہیں کر پا رہے —! کسے خبر تھی کہ جس وقت یہ بات ہو رہی تھی اُس کے تین ہی گھنٹے کے بعد ڈاکٹر صاحب اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف محو پرواز ہوں گے — بمصداقِ قرآنی:

﴿يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝٢٩ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝٣٠﴾ (الفجر)

''اے نفس مطمئن، چل اپنے ربّ کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے ربّ کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

تاباں تھیں جن سے غمکدۂ جاں کی وسعتیں
پلکوں پہ وہ چراغ سرِ شام بجھ گئے

فجر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ ہم دونوں باپ بیٹے مسجد نماز کے لیے چلے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ خبیب ایک تھیلا لے کر جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کدھر؟ اُس نے کہا کہ ایئر پورٹ' تا کہ جلد از جلد لاہور پہنچوں۔ میں نے کہا ٹھہرو میں بھی چلتا ہوں۔ کہنے لگا' ابو وہاں پر بے انتہا رش ہوگا' آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا' آپ بعد میں چلے جایئے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اسے اور ساتھی بھی مل گئے۔ صبح آٹھ بجے ایک فلائٹ تھی جس میں سیٹ بھی مل گئی اور وہ مع ساتھیوں کے دس بجے تک لاہور پہنچ گئے — مجھے سخت بے چینی تھی۔ دل نہ مانا' وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح لاہور پہنچ جاؤں۔ چنانچہ دو گھنٹے کے بعد میں مختصر سامان لے کر ڈرائیور کے ساتھ ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ گیارہ بجے ایک فلائٹ لاہور جا رہی تھی لیکن اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ چانس پر ٹکٹ لے لیا لیکن افسوس کہ سیٹ نہیں مل سکی اور کئی گھنٹہ تک کی تگ و دو کے بعد بے نیل مرام واپس گھر آ گیا — میرے نصیب میں ڈاکٹر صاحب کا آخری دیدار نہیں تھا۔ یہ بھی میرے لیے ایک قیامت سے کم نہ تھا ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور!

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ماڈل ٹاؤن کے وسیع و عریض سنٹرل پارک میں ادا کی گئی جہاں پر

ہزاروں افراد کا جم غفیر تھا۔ اندازہ ہے کہ ستر اسی ہزار سے کم لوگ نہیں تھے جن میں احباب' رفقاء اور عوام کے علاوہ ہر مکتبۂ فکر کے علماء و دانشور وغیرہ شامل تھے۔ ہجوم بے کراں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ جتنے انتظامات کیے گئے تھے وہ سب فیل ہو گئے ۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ اٹھ گیا آخر کو ویرانہ پہ کیا گزری!

پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نماز جنازہ کے بعد لوگوں کو چہرہ کا آخری دیدار کرایا جائے گا' مگر حالت یہ ہو گئی کہ لوگ اپنے محبوب کے آخری دیدار کے لیے دیوانہ وار ٹوٹے پڑ رہے تھے اور ہجوم بے قابو ہو رہا تھا۔ گویا۔

اُٹھا جو مینا بدست ساقی' رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے' یہاں سے پہلے' یہاں سے پہلے!

فوری فیصلہ کیا گیا کہ اگر آخری دیدار کا سلسلہ شروع کر دیا تو گھنٹوں اس کام میں لگ جائیں گے' لہٰذا جنازہ کو فوراً قبرستان کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ یہ ماڈل ٹاؤن کا قبرستان تھا جو قرآن اکیڈمی کے قریب ہی واقع ہے' جہاں اس مردِ درویش کو آخری نیند سلا دیا گیا —— اُن کے چہرہ کو جب میں نے ٹی وی پر دیکھا تو موت کے کوئی آثار معلوم نہیں ہوتے تھے۔ لگتا تھا گویا سو رہے ہوں۔ ذرا سا شور ہوا تو اُٹھ جائیں گے' اس لیے خاموش رہو کہ نیند خراب نہ ہو ۔

سودا کے جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خُدّامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے!

اور

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

میں نے ہوائی جہاز میں ۲۰ اپریل کی سیٹ بک کرالی۔ اُس دن صبح دس بجے لاہور پہنچ گیا۔ سامان گھر پر رکھ کر سیدھا قبرستان پہنچا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی قبر سامنے تھی۔ جیسی قد آور موصوف کی شخصیت تھی' قبر بھی ویسی ہی نظر آ رہی تھی —— میں دیکھتا رہا —— دیکھتا رہا —— ہائے ۔

دیکھ کر اس قبر کو آنکھوں میں آنسو آ گئے
جسم میں لرزا ہوا پیدا' قدم تھرا گئے
سامنے آنکھوں کے اِک غم خوار صورت آ گئی
قبر کے اوپر محبت ہی محبت چھا گئی

ڈاکٹر صاحب کی وجیہہ شخصیت کو میں قریب ہی قرآن اکیڈمی میں اپنے دفتر میں بیٹھے دیکھا کرتا تھا' آج وہ اس مٹی کے نیچے مدفون ہیں۔ زندگی بھی کیا ہے' پانی کا ایک بلبلہ! اور موت کیا ہے ع یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر ۔

آتے ہوئے اذاں ہوئی جاتے ہوئے نماز
اس عرصۂ حیات میں کیا آئے کیا گئے!

——اور میں نے نم آنکھوں کے ساتھ فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیے ۔

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— ملتِ اسلامیہ کا یہ بطل جلیل ۲۶/اپریل ۱۹۳۲ء کو حصار (موجودہ صوبہ ہریانہ) انڈیا میں پیدا ہوا۔ آباء واجداد کا تعلق یوپی (انڈیا) کے مردم خیز ضلع مظفر نگر سے تھا۔ تقسیم ہند کے خونی ہنگاموں میں ڈاکٹر صاحب اپنے خاندان کے ساتھ پیدل قافلہ کے ہمراہ ۲۰ روز میں ۷۰ میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے پاکستان پہنچے۔ میٹرک کا امتحان حصار ہی سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ پاکستان میں مستقل رہائش منٹگمری (حال ساہیوال) میں رہی۔ ایف ایس سی گورنمنٹ کالج لاہور اور ایم بی بی ایس کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے پاس کیا۔ حصار میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نمایاں کارکن تھے اور وہیں سے مولانا مودودی سے متعارف ہوئے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— پاکستان آ کر جماعت اسلامی کے کارکن بنے اور پھر اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کر کے جلد ہی کارکن سے لے کر ناظم اعلیٰ تک کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ یہ ان کے خلوص' کارکردگی اور دین کے لیے سعی و جہد کی بدولت ہوا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کی لیکن چند سال ہی کے بعد پالیسی سے

اختلاف کے باعث بعض دیگر اکابرین کے ساتھ جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی —— لیکن وہ دھن کے پکے تھے۔ خاموش بیٹھنے والے نہ تھے۔ اسلامی نظام کے غلبہ کو جو مقصدِ زندگی بنایا تھا' اور اللہ کی رضا جو اُن کا نصب العین تھا' اس کے لیے برابر کام کرتے رہے ۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے۔

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— میں ۱۹۵۰ء میں اسلامی جمعیت طلبہ سے متعارف اور ۱۹۵۱ء کے اوائل میں رکن بنا۔ ۱۹۵۱ء میں جمعیت کے سالانہ اجتماع میں رفقاء کے ساتھ لاہور گیا۔ وہاں ہمارا پہلا پڑاؤ تھانہ گوالمنڈی کے قریب ہفت روزہ ''کوثر'' (جو اَب ''ایشیا'' کے نام سے شائع ہوتا ہے) کے دفتر میں ہوا۔ جگہ تنگ تھی۔ رات وہیں گزارنی تھی کہ لاہور کے ایک رفیق نے مجھے اپنے ساتھ میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں لے جانے اور رات وہاں آرام سے گزارنے کی پیشکش کی۔ میں نے ان کا بہت شکریہ ادا کر کے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یہاں جو حال سب کا ہے وہی اپنا —— بعد میں پتہ چلا کہ یہ پیشکش کرنے والے ہمارے (ڈاکٹر) اسرار احمد بھائی تھے —— چنانچہ یہ اُن سے ہماری پہلی ملاقات تھی —— اس کے بعد عرصہ تک ان سے کوئی ذاتی روابط تو نہیں رہے بس دور سے دیکھتے اور سنتے رہے۔ اپنا حصہ دور کا جلوہ —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے۔

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— سنہ صحیح یاد نہیں۔ یہ ۱۹۶۵ء تھا یا ۱۹۶۶ء۔ ڈاکٹر صاحب کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) کا امتحان دے کر واپس آ رہے تھے اور میں ایم اے (اسلامی تاریخ) کا۔ دونوں ایک ہی بس میں تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا قیام گرومندر کے قریب واقع اس بنگلہ میں ہوتا تھا جہاں اب پیپلز پارٹی کا سیکرٹریٹ ہے۔ اس زمانہ میں وہ اظہار لمیٹڈ کا دفتر بھی تھا۔ اس لیے گرومندر کے اسٹاپ پر ڈاکٹر صاحب اُترے۔ مجھے کیماڑی اپنے دفتر پاکستان نیشنل آئلز (جو بعد میں P.S.O بنی) جانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے وہیں اُتار لیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ وہیں پر ایک ہوٹل میں خود بھی تکے اور کباب کھائے اور مجھے بھی بڑی محبت سے کھلائے۔ کھانا کھا کر وہ اپنی قیام گاہ چلے گئے اور میں اپنے دفتر۔ ویسے ڈاکٹر

صاحب کھانے میں بڑی سادگی کے قائل تھے لیکن کھلانے میں اتنے نہیں۔ انہیں لہسن کی چٹنی بہت پسند تھی۔ اگر صرف روٹی اور لہسن کی چٹنی انہیں دے دی جاتی تو بڑے شوق سے کھاتے۔ سبزیوں میں بھنڈی پسند تھی۔ جنوبی انڈیا کے دورہ میں جب ہم ممبئی گئے تو وہاں بھنڈی بازار میں ٹھہرے۔ یہ مسلمانوں کا مشہور محلہ ہے۔ پتا نہیں نام یہ کیوں پڑا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب تو آپ کا شوق آپ کو بھنڈی بازار میں لے آیا' مبارک ہو۔ ڈاکٹر صاحب سوتے میں خوب خراٹے لیتے تھے۔ کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خراٹے لیتے تھے' اس عاجز کو بھی یہ سنت ادا کرنے کی کچھ توفیق ہوئی ہے۔ ہم ایک روز ممبئی میں کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کے لیے آرام کر رہے تھے۔ مقامی جماعت اسلامی کے چند اکابرین ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لیے آئے۔ دیکھا سو رہے ہیں تو واپس ہو گئے۔ جب ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ ہاں ہم آئے تھے مگر آپ لوگ ''بآوازِ بلند'' سو رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مسکرا دیے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے۔

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— یہ غالباً ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔ حسین شہید سہروردی پاکستان کے وزیراعظم تھے۔ سویز کے مسئلہ پر مصر اور برطانیہ میں کشیدگی تھی' جو اتنی بڑھی کہ برطانیہ نے مصر پر حملہ کر دیا —— جماعت اسلامی نے مصر میں زخمیوں کے علاج وغیرہ کے سلسلہ میں فوراً ایک طبی وفد بھیجنے کا اعلان کر دیا اور جماعت سے کسی بھی درجہ میں وابستہ ڈاکٹروں سے اپیل کی کہ وہ وفد میں جانے کے لیے فوراً کراچی پہنچ جائیں۔ سب سے پہلے آنے والے امیر جماعت اسلامی منٹگمری (حال ساہیوال) ڈاکٹر اسرار احمد تھے۔ اُن کا قیام جماعت کے دفتر کے اس کمرہ میں تھا جسے ہم ''مولوی مسافر خانہ'' کہا کرتے تھے۔ جمعیت کے پرانے ساتھی ہونے کے ناطے اس خادم کو اُن کے ''پروٹوکول آفیسر'' کا درجہ دیا گیا۔ کھانا میں انہیں قریب ہی واقع دہلی مسلم ہوٹل میں کھلاتا جو اُس زمانہ میں ایک عمدہ ہوٹل تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے تحریکی اور دیگر امور پر خوب گپ شپ رہتی۔ جمال عبدالناصر اس زمانہ میں مصر کے صدر تھے۔ افسوس کہ جماعت کے طبی وفد کو مصر جانے کی اجازت نہیں ملی' اس لیے ڈاکٹر صاحب جلد ہی واپس منٹگمری چلے گئے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— جماعت اسلامی سے نکلنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کچھ عرصہ تبلیغی جماعت میں بھی کام کرتے رہے۔ ایک بنگالی بھائی تھے جن سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ شبِ جمعہ کے اجتماع میں شرکت کا تو ڈاکٹر صاحب اہتمام کرتے تھے مگر کوئی چلّہ وغیرہ نہیں لگایا۔ ہاں کوئٹہ میں کوئی بڑا اجتماع ہوا تھا تو اس میں شرکت فرمائی۔ اس جماعت کے طریق کار پر ڈاکٹر صاحب کا ذہن مطمئن نہیں ہوا' سو جلد ہی وہاں سے علیحدہ ہو گئے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— جب ڈاکٹر صاحب ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے یہ اٹل فیصلہ کیا کہ کوئی ساتھ دے یا نہ دے انہیں تو اقامتِ دین کا کام کرنا ہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اوائل ۱۹۶۶ء میں بجائے منٹگمری کے لاہور کو اپنا base بنایا اور مع فیملی وہاں منتقل ہو گئے۔ ماہنامہ ''میثاق'' جو مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے جاری کیا تھا اور اب بند پڑا تھا اُس کو خود شائع کرنا شروع کیا۔ اپنے ایک مکتبہ کی بنیاد ڈالی جس سے اپنی تاریخی کتاب ''تحریک جماعت اسلامی :ایک تحقیقی مطالعہ'' شائع کی۔ یہ دراصل وہ بیان تھا جو ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت رکن جماعت اسلامی' جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کی قائم کردہ جائزہ کمیٹی (fact finding committee) کے سامنے ۱۹۵۶ء میں تحریر کر کے دیا تھا اور اب دس سال کے بعد شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے چند اور پمفلٹ بھی شائع کیے۔ منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور —— اور —— ۱۹۷۵ء میں اسلامی انقلابی جدّوجہد اور تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد کی اساسی دعوت پر مبنی جماعت تنظیم اسلامی قائم کی —— ایم بی بی ایس کرنے کے بعد چند سال تو انہوں نے ذاتی پریکٹس کی لیکن اس کے بعد رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر ہمہ وقت' ہمہ تن اور ہمہ جان اپنے آپ کو غلبۂ دین کے عظیم مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ ایک مکان تھا جس کے معمولی کرایہ پر گزر بسر کیا۔ ان کی زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ ان کی ہر چیز میں سادگی ہی سادگی تھی۔ بقول اقبال: ؎

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر!

یہ تھے ہمارے ڈاکٹر صاحب کہ ڈاکٹری کو اگر اپنا کیریئر بنا لیتے تو ایک نامور ڈاکٹر ہوتے اور

مال و دولت سے مالا مال ہوتے' چاہے ساتھ ہی کچھ نہ کچھ دین کا کام بھی کرتے رہتے' مگر وہ تو کچھ ''اور'' ہی تھے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— لاہور کو مرکز بنا کر جب انہوں نے کام کرنا شروع کیا تو لاہور میں متعدد قرآنی حلقے بنانے کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف شہروں کے مسلسل دورے بھی کرتے رہتے تھے' جہاں مساجد وغیرہ میں ان کے دروسِ قرآن اور خطابات رکھے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں مہینہ میں کم از کم ایک بار تو کراچی کا دورہ بھی ہو جاتا تھا۔ یہاں مساجد کے علاوہ صدر جیسی مرکزی جگہ پر جمعیت الفلاح ہال میں اجتماعات ہوتے تھے جن میں بڑے ذوق و شوق سے لوگ شرکت کرتے۔ صدر میں بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کے فلیٹ یا یونیورسٹی کیمپس میں مظفر احمد صاحب کے مکان پر عموماً ڈاکٹر صاحب ٹھہرتے تھے۔ خاکسار کا قیام ناظم آباد میں تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اپنے گھر قیام کی دعوت دوں' مگر مشکل یہ تھی کہ میرے چھوٹے سے گھر میں بیت الخلاء اور غسل خانہ علیحدہ علیحدہ تھے اور ڈاکٹر صاحب مشترکہ کے عادی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں پہلی منزل پر ایک کمرہ اور باتھ روم اپنے قیام کے لیے بنوالوں (واضح رہے کہ کراچی میں ان کے بھائی کی کنسٹرکشن کمپنی تھی)۔ میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب' اجازت کا کہہ کر آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں' یہ پورا گھر آپ ہی کا ہے' مگر خامی اس میں یہ ہے کہ یہ پلرز (pillars) پر نہیں بلکہ پرانے طرز پر دیواروں پر بنا ہوا ہے اور دیواروں میں بار بار کریک آ رہے ہیں۔ موجودہ حالت میں یہ اوپر کی منزل کا بوجھ شاید نہ سنبھال سکے —— اس بات کے بعد مجھے ڈاکٹر صاحب کی رہائش کے لیے فکر لاحق ہو گئی۔ نارتھ ناظم آباد میں میرا ایک ۲۰۰ گز (۸ مرلہ) کا پلاٹ تھا۔ میں نے ناظم آباد کا مکان فروخت کر کے اور کمپنی سے اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے کچھ رقم نکال کر اس پر مکان کی تعمیر شروع کر دی۔ اس میں بیت الخلاء اور غسل خانہ ڈاکٹر صاحب کے حسب منشا مشترکہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے ایک کمرہ اور باتھ روم مختص کر دیا۔ اس سلسلہ میں مجھے کچھ رقم ملنے میں دیر ہوئی تو میں نے چند ہزار روپے دو ہفتے کے لیے ڈاکٹر صاحب سے قرض لیے۔ ڈاکٹر صاحب نے رقم دینے کے بعد مجھ سے اس کی رسید لکھوائی۔ میں سوچنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب غیریت کیوں برت رہے ہیں' کیا مجھ پر اعتماد نہیں؟ انہوں نے رسید لکھوا کر اس کو پھر مجھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ اپنے پاس

میری امانت کے طور پر رکھ لو' مجھے شریعت کا منشا پورا کرنا مطلوب تھا۔ کمپنی کی طرف سے مجھے ایک غیر سودی سکیم کے تحت قسطوں پر گاڑی بھی مل گئی۔ بس پھر کیا تھا' میری خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی رہائش اور آنے جانے کے لیے گاڑی مع ڈرائیور (یہ خاکسار) کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا۔ اب جب بھی وہ کراچی تشریف لاتے مجھے میزبانی کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ وہ آتے تو گھر میں جیسے چپکے سے بہار آ جاتی۔ یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا' جب تک کہ میں نے لاہور کے لیے رختِ سفر باندھا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

روز آنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے!

یوں ڈاکٹر صاحب لاہور سے ہمارے ہاں آتے تھے' چلے جاتے تھے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت —— بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— انجمن اور تنظیم کا کارواں چلتا رہا' چلتا رہا۔ خزاں بھی لپکی' بہاریں بھی آئیں' کارواں چلتا رہا۔ وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیے تھے انداز خسروانہ —— اس کارواں کو پیہم چلاتا رہا۔ اُس کے ملکی دوروں کے علاوہ مشرقی و مغربی بلاد بلکہ جنوب تک کے بیرونی دورے —— سب حق کے غلبہ کے لیے' سب اقامت دین کے لیے' ہوتے رہے' ہوتے رہے۔ جسم تو جسم ہے' کب تک اتنی مشقت برداشت کرتا' پوری عمر اس کو پیس کر رکھ دیا تھا' ہڈیاں اس مقدس کام میں گھلا دیں۔ جسم پر ذرا رحم نہ آیا' اب ستّر کی دہائی میں تو اسے کچھ آرام دیا ہوتا' مگر واہ رے میرے ڈاکٹر صاحب' انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ کام میں لگے رہے' جُتے رہے —— جب بھی دیکھا اُسے' اِک مردِ خدا کو دیکھا ——!

حماک اللہ! دماغوں کو عطا کی فکرِ قرآنی
جزاک اللہ' دلوں کو سوزِ ایمانی سے گرمایا
ترے سود و زیاں کا ہے رضائے دوست پیمانہ
کہ تو نے ہر قدم پر عشرتِ باطل کو ٹھکرایا (ماہر)

جسمانی عوارض انہیں بے حساب تھے۔ وقتِ فرصت تھا کہاں کام ابھی باقی تھا! عوارض بار بار تنگ کر رہے تھے۔ آخر انہوں نے ان سے ایک خاموش سمجھوتہ کر لیا کہ ٹھیک ہے تم اپنا کام کیے جاؤ' میں اپنا فرض ادا کیے جاتا ہوں۔ لو تم بھی خوش' میں بھی خوش —— ایسا سمجھوتہ

ڈاکٹر صاحب جیسا داعی ہی کر سکتا تھا ۔

ابھی کیا کہیں ' ابھی کیا سنیں' کہ سرِ فصیلِ سکوتِ جاں
کفِ روز و شب پہ شرر فشاں' وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا

—— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' ڈاکٹر صاحب! آپ بہت ہی یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— فرائض کی سختی سے پابندی' ذرا بھی طبیعت ٹھیک ہو' اٹھ بیٹھ سکتے ہوں تو مسجد میں پانچوں وقت پابندی سے باجماعت نماز کی ادائیگی —— دیانت اور امانت کے سچے پیکر —— فرشتے نہ تھے بشری کمزوریاں بھی تھیں' اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے —— غصہ تیز آتا تھا مگر کمال کی بات ہے جتنی تیزی سے آتا تھا اتنی ہی تیزی سے اترتا بھی تھا —— یہ تھا اُن کا مدّ و جزر! —— کسی سے اگر ناراض ہو جائیں تو suo motu action لے کر خود ہی معاف بھی کر دیتے تھے اور ایسے گلے لگاتے تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو —— دلداری کی کیا بات تھی ۔

ترے کردار میں تھا امتزاجِ شعلہ و شبنم
سراپا سعی و پیہم بھی' مجسم پاکبازی بھی
کہیں خارا شگافی کی' کہیں آئینہ سازی کی
کہ تو میداں کا غازی بھی تھا' مسجد کا نمازی بھی (ماہر)

اب ایسے انسان خال خال ہی ملیں گے —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ ہمیں بہت یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— ڈاکٹر صاحب کی قراءت بہت عمدہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو کبھی اچھے گانے پسند تھے' انہوں نے اپنے اس شوق کو قراءت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اونچی آواز میں نہایت سوز کے ساتھ قراءت کرتے تھے کہ آدمی جھوم جاتا تھا —— ایک دفعہ وہ لندن گئے ہوئے تھے اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر صہیب حسن کے ہاں ٹھہرے تھے۔ فجر کی نماز ڈاکٹر صاحب نے پڑھائی۔ اونچی اور تیز آواز میں قراءت تھی۔

برابر کے گھر میں جو انگریز رہتا تھا اس کی نیند خراب ہوگئی۔ وہ نہایت غصہ اور طیش میں باہر نکل آیا۔ جیسے ہی نماز ختم ہوئی اُس نے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا کہ اس کی نیند کیوں خراب کی۔ وہ اتنے طیش میں تھا کہ اگر پڑوسی بیچ بچاؤ نہ کراتے تو ہاتھا پائی پر اتر آتا۔ جیسے تیسے معاملہ ختم ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے پیچھے کئی بار تہجد کی نماز پڑھنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ بس ہم دو ہوتے تھے۔ میں ان کی قراءت میں ڈوب ڈوب جاتا تھا —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ بہت' بہت یاد آئیں گے۔

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— ڈاکٹر صاحب کراچی کے دورہ پر آتے تھے۔ قیام قرآن اکیڈمی میں ہوتا اور پروگرام بہت tight ہوتا تھا۔ لوگوں سے ملاقاتیں ایڈوانس میں طے ہوتی تھیں۔ میری ملاقات نہ ہو پاتی تھی' کیونکہ میں تو جی بھر کے بھرپور ملاقات کا عادی تھا' البتہ کبھی کبھی وہ یہ کرم کرتے تھے کہ اس خاکسار کے ہاں ''نان ونمک'' کھانے تشریف لے آتے تھے —— میں نے کہیں اُن سے یہ کہہ دیا تھا کہ سورج کبھی غریب کی جھونپڑی میں آجائے تو اس کا تو کچھ نہ جائے گا' ہاں اس کی کرنوں سے جھونپڑی ضرور منور ہو جائے گی —— میں عموماً سال میں ایک بار تو ضرور لاہور کا چکر لگاتا تھا۔ بس وہاں ڈاکٹر صاحب کے دفتر میں ان کے فرصت کے اوقات میں صبح وشام بیٹھ کر کراچی کی ساری کسر نکال لیتا تھا' بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی۔ چائے یا کافی مع بسکٹ الگ پینے کو ملتی تھی —— کبھی کبھار سامنے میز پر لوگوں کی دی ہوئی کچھ کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ ایک ایک کتاب کے کئی نسخے۔ میں ڈاکٹر صاحب سے کہتا کہ یہ تمام نسخے کیا آپ ایک ساتھ پڑھیں گے؟ ڈاکٹر صاحب سمجھ جاتے' مسکرا کر کہتے کہ ایک لے لو۔ اس طرح ایک ٹرپ میں کئی کتب ''مالِ غنیمت'' کے طور پر لے آتا۔ ڈاکٹر صاحب کہا کرتے تھے کہ تمہارا مزاج کچھ ضدی سا ہے۔ وہ میری ضد کو بھی درگزر فرما دیتے تھے۔

وہ مری ضدی طبیعت' وہ مرا نازک مزاج
آپ کی وہ درگزر کرنے کی عادت ہائے! ہائے!
وہ مرے ہنستے ہوئے چہرے پہ نظریں پیار کی
اور وہ دانستہ اخفائے محبت ہائے! ہائے! (ماہر)

—— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' آپ ہمیں بہت یاد

آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا ـــــ اس سال ماہِ مارچ میں میرا لاہور جانے کا پہلے سے پروگرام تھا۔ خیال تھا کہ وہاں ڈاکٹر صاحب سے حسب سابق خوب ملاقاتیں رہیں گی۔ لیکن میری بدقسمتی کہ قرآن اکیڈمی کے برابر حکومت کی ایک خفیہ ایجنسی کے دفتر میں بم کا شدید دھماکہ ہوا جس سے قرآن اکیڈمی کی عمارت' دفاتر' رہائشی کوارٹرز' مسجد اور آس پاس کے بنگلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ وہاں پر لوگوں کی رہائشی مشکلات بڑھ گئی تھیں۔ ان حالات میں میں وہاں کیسے جاتا۔ قسمت کو مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملانا مقصود نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے آخری ملاقاتیں میں نے اکتوبر ۲۰۰۹ء میں لاہور کے وزٹ میں کی تھیں۔ غالباً کراچی واپس آنے سے قبل اُن سے آخری ملاقات تھی۔ میں کچھ خاموش بیٹھا تھا' وہ بھی خاموشی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو' کہو' کہو ـــــ مگر میں ''نہیں نہیں'' کہہ کر رہ گیا۔ کاش میں اُس وقت بہت کچھ کہہ دیتا۔ میری کسی بات یا تحریر سے ان کا دل دکھا ہوتا تو معافی مانگ لیتا' مگر میں نے وہ لمحہ گنوا دیا ـــــ وہ لمحہ گنوا دیا! ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ میری طرف سے صاف دل لے کر گئے ہوں گے۔ اس لیے کہ ان کی عادت تھی کہ انہیں جو کچھ سرزنش کرنی ہوتی تھی وہ نرم یا سخت الفاظ میں کر کے اپنا دل صاف کر لیا کرتے تھے۔ ایسے صاف دل اور صاف گو ۔

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد!

قرآن اکیڈمی کے سامنے والے بلاک میں پہلا کمرہ حافظ عاکف سعید صاحب کا ہے اور دو کمرے چھوڑ کر آخری کمرہ ڈاکٹر صاحب کا تھا۔ (یہ ''تھا'' لکھتے ہوئے قلم بھی کانپ رہا ہے) اب جب میں لاہور گیا تو روزانہ اس بلاک میں جاتا تھا لیکن حافظ عاکف سعید صاحب کے کمرے سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ سامنے ہی میرے مرحوم مرشد کا کمرہ تھا۔ اب میں وہاں کیسے جاؤں۔ اب وہ کہاں ہیں! ۔

اسی افق سے وہ ماہِ تمام ابھرا تھا
جمی ہوئی ہے نگہ سوئے آستاں اب تک

ـــــ اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر ـــــ ڈاکٹر صاحب' ڈاکٹر صاحب' آپ

ہمیں بہت ہی یاد آئیں گے!

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا —— کئی سال قبل ڈاکٹر صاحب کی کمر کا آپریشن ہو چکا تھا۔ گھٹنے بھی تبدیل (replace) کیے جا چکے تھے۔ ان کی صحت کچھ بہتر تو ہوئی مگر انہیں آرام کی ضرورت تھی، مگر آرام کہاں! آرام کا لفظ تو شاید ان کی ڈکشنری میں موجود ہی نہ تھا۔ خود ڈاکٹر تھے اس لیے ڈاکٹروں کی advices کو نظر انداز کر دیتے —— ۷۸ سال کی عمر میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو جوانوں کی طرح فعال رکھا۔ انتقال سے صرف ۲۴ دن قبل محترم ڈاکٹر صاحب کراچی کے دورہ پر تشریف لائے۔ اتوار ۲۱ مارچ کو جامع مسجد شادمان ٹاؤن میں ''سیرتِ نبویؐ'' کے موضوع پر ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ میں بھی حاضر تھا وہاں —— اُن کی آواز میں وہی پہلی سی گھن گرج تھی۔ کیا پتا تھا کہ راہِ حق کا یہ داعی جلد ہی اللہ کو پیارا ہو جائے گا اور یہ اس کا آخری دورۂ کراچی ثابت ہوگا۔ افسوس اس بات کا رہا کہ میری ملاقات ان سے نہ ہو سکی —— ڈاکٹر صاحب کا کمر کا درد بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اسے خاطر میں لائے بغیر دورے پر دورے کیے جا رہے تھے۔ فیصل آباد میں ۴ تا ۹ اپریل تنظیم اسلامی کے کارکنوں کا ایک خصوصی فکری تربیتی اجتماع منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کمر کے درد کے باوجود لاہور سے کار میں ایک دن کے لیے فیصل آباد گئے اور آئے، جس سے درد اور بڑھ گیا۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے رفقاء سے خطاب کیا۔ رفقاء سے یہ اُن کی زندگی کا آخری خطاب تھا۔ پھر ایک خاص بات ہوئی۔ وہ یہ کہ خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دعا مانگی، رو رو کر دعا مانگی، حالانکہ اس سے قبل کبھی وہ کسی اجتماع میں دعا مانگتے ہوئے نہ روئے تھے۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ خود بھی روئے اور رفقاء کو بھی رلایا —— دوسری ایک خاص بات اور ہوئی۔ فیصل آباد ہی میں تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہفتہ ۱۰ اپریل کو (انتقال سے تین روز قبل) منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت نہ مانی اور وہ باوجود شدید تکلیف کے پھر بذریعہ کار فیصل آباد گئے اور آئے۔ وہ اس کام سے بھی فارغ ہو لیے۔ اس موقع پر انہوں نے ارکانِ مجلس شوریٰ سے ایک عجیب بات فرمائی کہ ''مجھ سے اسلام کے انقلابی فکر اور منہج انقلابِ نبویؐ کے متعلق جو حاصل کرنا چاہتے ہو کر لو، شاید اس زندگی میں دوبارہ ملاقات کا موقع میسّر نہ آئے''۔ کارکنوں کے اجتماع میں رو رو کر زندگی میں پہلی مرتبہ اور آخری بار اس طرح کا دعا مانگنا اور پھر مجلس شوریٰ کے اجلاس میں خطاب کے مندرجہ بالا جملے یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو احساس ہو گیا تھا کہ اُن کا اب وقتِ رخصتی قریب ہی ہے —— یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ

ولی تھے —— واقعی وہ ولی اللہ تھے!

ان دوروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتقال سے ایک روز قبل کمر کے درد نے انتہائی شدت اختیار کر لی مگر یہ مردِ درویش آخری دم تک ایمان کی شمع جلاتا رہا۔ ع حق مغفرت کرے عجب ''آزاد'' مرد تھا —— اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر —— ڈاکٹر صاحب' ڈاکٹر صاحب' آپ ہمیں چھوڑ گئے —— آپ بہت ہی' بہت ہی یاد آئیں گے!

لیکن عزیزو! دوستو! اور ساتھیو! صرف ان کو یاد کرتے رہنا ہی کام نہیں ہے۔ کام تو اب یہ ہے کہ انہوں نے جو شمع روشن کی تھی اسے شعلۂ جوالہ بنا دینا ہے —— ساتھیو اٹھو! آگے بڑھو! صفوں کو درست کرو —— اور اپنی مشعلوں کو تیز کرو۔ مدرسین کی جو کھیپ ڈاکٹر صاحب نے تیار کی تھی' اس میں سے ہر ایک کو اب ایک ''ڈاکٹر اسرار احمد'' بن جانا ہے —— انجمن اور تنظیم کے ذمہ داروں کی صحت اور استقامت کے لیے دعا کرو' ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرو تاکہ ڈاکٹر صاحب کی روح کو سکون ملے! —— یہ دنیا آنی جانی ہے' اس سے دل نہ لگاؤ —— آرام دہ زندگی کو ترک کرو' اپنا تن من دھن اور اپنے خون کا آخری قطرہ اُس طرح دین مبین کی سربلندی میں خرچ کرو جس طرح تمہارے سامنے ڈاکٹر صاحب نے خرچ کیا تھا —— تمہیں اگر اپنا آرام عزیز ہے' اپنا status عزیز ہے' اپنے بیوی بچوں کے لیے ہر طرح کی آسائش عزیز ہے' اپنا اعلیٰ رہن سہن عزیز ہے تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرما دیں ۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ۔

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ سے ہی نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

مجھے نہ جانے کیوں اس وقت الاخوان المسلمون کے بانی اور پہلے مرشد عام امام حسن البنا شہید کی تقریر کے وہ جملے یاد آ رہے ہیں جو امام شہید نے اخوان کی تأسیس کے ٹھیک دس سال بعد اس کے پانچویں اجلاس (۱۹۳۸ء) میں کہے تھے۔ ۷۲ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود وہ تحریک کے کارکنوں کے لیے آج بھی تازہ اور مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

ایھا الاخوان المسلمون! اس دین کو تمہارے اسلاف کے جہاد نے قائم کیا ہے اور

چند مضبوط بنیادوں پر قائم کیا ہے اور وہ ہیں: ''اللہ پر ایمان' دنیائے فانی کے اسبابِ زینت سے بے نیازی' ہمیشہ رہنے والے گھر کی اہمیت اور اوّلیت' حق کی راہ میں نفسی' جانی و مالی قربانی' اللہ کے راستے میں موت کی تمنا اور ان تمام امور میں قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کی پیروی'' —— ان اصولوں پر اپنی تحریک کی بنیاد رکھو۔ نفوس کی اصلاح کرو' دعوت کو اپنا مرکز و محور بناؤ اور اُمت کو خیر و سلامتی کی راہ پر لے جاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری کوششوں کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔

''ایھا الاخوان المسلمون! یاس و ناامیدی کو اپنے پاس کبھی نہ آنے دو۔ ناامیدی ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ آج کی حقیقتیں کل کے خواب تھے اور آج جنہیں خواب و خیال کی باتیں سمجھا جاتا ہے وہ کل حقیقتیں ہو کر رہیں گی۔ ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا اور ابھی باوجود فساد انگیز ماحول کے' مسلمان عوام کے دلوں میں سلامتی کے عناصر زندہ اور طاقتور ہیں۔ کوئی کمزور زندگی بھر کمزور نہیں رہے گا اور زور آور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے قوت و اقتدار کی گارنٹی نہیں لکھالایا —— زمانے کی کوکھ سے بڑے تکلیف دہ حوادث و واقعات جنم لینے والے ہیں اور ایسے ماحول میں عظیم تر کاموں کے مواقع پیدا ہو رہے ہیں۔ دنیا تمہاری دعوت کی منتظر ہے' جو کامیابی' ہدایت اور امن و سلامتی کی دعوت ہے تاکہ اسے اپنے مسلسل کرب و آلام سے چھٹکارا حاصل ہو سکے۔ اب اقوامِ عالم کی قیادت کے منصب پر تم ہی فائز کیے جاؤ گے —— ''اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں''۔ (آل عمران) ''اور تم کو اللہ سے اُمید ہے جو اُن کو نہیں'' (نساء) —— کمر ہمت باندھو اور میدانِ عمل میں آگے بڑھو' اس لیے کہ پھر کل تمہیں اس کا موقع نہیں ملے گا اور کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ میں نے تم میں سے عجلت پسندوں کو کہا تھا کہ وہ کچھ توقف کریں اور حالات اور زمانہ کی رفتار کا انتظار کریں اور اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کو کہتا ہوں کہ وہ اٹھیں اور قدم آگے بڑھائیں' اس لیے کہ جہاد کے ساتھ راحت و آرام کا تصور نہیں ہو سکتا —— ''اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے' اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے''۔ (العنکبوت) بس ہمیشہ آگے قدم بڑھائے جاؤ۔ واللہ اکبر وللہ الحمد!''

(الاخوان المسلمون اور اُن کی دعوت: ص ۱۱۵)

ان دنوں موقع کی مناسبت سے بہت سے اشعار کی گونج بھی میرے ذہن وفکر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ان میں بعض ذیل میں ہدیۂ قارئین کیے جا رہے ہیں:

شمع افسردہ ہے پروانے بھی ہیں سہمے ہوئے — سوگ میں ہے انجمن کی انجمن تیرے لیے
یاد تیری اب کسی دل سے نکل سکتی نہیں — مدتوں روئیں گے اربابِ وطن تیرے لیے
قبر پر تیری سدا رحمت کا مینہ برسا کرے — کر رہے ہیں یہ دعا سب مرد وزن تیرے لیے
گنبدِ خضریٰ سے تیری سمت جب دیکھیں حضورؐ — نور کی چادر ہی بن جائے کفن تیرے لیے
جب تو پہنچے لیکے پیشانی میں سجدوں کے نشاں — کھول دے آغوشِ جنت کا چمن تیرے لیے

(ماہر)

جسم پر تیرے قبائے رہبری ٹھیک آ گئی — حسن فطرت تجھ میں تھا، شانِ قیادت تجھ میں تھی
تیرا مسلک حق پرستی، تیری فطرت حق شناس — یعنی ہر باطل سے ٹکرانے کی ہمت تجھ میں تھی
زندگی تو نے گزاری تھی مجاہد کی طرح — کفر کی طاقت سے لڑ جانے کی طاقت تجھ میں تھی
قصر وایواں میں بھی تو دیتا رہا حق کا پیام — اس قدر آزاد اور بے باک جرأت تجھ میں تھی

(ماہر)

لو تم بھی گئے ہم نے تو سمجھا تھا کہ تم نے — باندھا تھا کوئی "رفقاء" سے پیمانِ وفا اور
یہ عہد کہ تاعمر رواں ساتھ رہو گے — رستے میں بچھڑ جائیں گے جب اہلِ صفا اور
ہم سمجھے تھے صیاد کا ترکش ہوا خالی — باقی تھا مگر اس میں ابھی تیرِ قضا اور
ہر خار رہِ دشتِ وطن کا ہے سوالی — کب دیکھیے آتا ہے کوئی آبلہ پا اور
آنے میں تامل تھا اگر روزِ جزا کو — اچھا تھا ٹھہر جاتے اگر تم بھی ذرا اور

(فیض)

چراغِ زندگی ہوگا فروزاں ہم نہیں ہوں گے — چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہوں گے
جوانو! اب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے — تمہیں ہو گے فروغِ بزمِ امکاں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا — یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ہم نہیں ہوں گے

(باقی صفحہ 82 پر)

مؤمن اور جذبۂ شکر و سپاس

عتیق الرحمٰن صدیقی

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۴۷﴾

(النساء)

''آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان (اور) جاننے والا ہے۔''

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷﴾

''اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔''

شکر اور کفر

شکر اور کفر دو ایسے الفاظ ہیں جو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں' اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ ایمان کے مقابلے میں بولا جانے لگا۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور شکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو' اس کے احسان کی قدر کرے' اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے اور اس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔ اس کے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی

قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کر دے یا اس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدر اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی' نمک حرامی' غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن' جلد اول' سورۃ البقرۃ)

ایک محسن کے مقابلہ میں صحیح اور درست رویہ یہ ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا معترف ہو' زبان سے اسے تسلیم کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ہم ان کے مجموعے کو شکر کے نام سے تعبیر کریں گے۔

شکر کا لغوی مفہوم

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''الشکر کے معنی کسی نعمت کا تصور اور اس کے اظہار کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کشر سے مقلوب ہے جس کے معنی کشف یعنی کھولنا کے ہیں۔ شکر کی ضد کفر ہے جس کے معنی نعمت کو بھلا دینے اور اسے چھپا کر رکھنے کے ہیں۔ دابۃ شکور اُس چوپائے کو کہتے ہیں جو اپنی فربہی سے یہ ظاہر کر رہا ہو کہ اس کے مالک نے اس کی خوب پرورش اور حفاظت کی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عینٌ شکرٰی سے ماخوذ ہے جس کے معنی آنسوؤں سے بھرپور آنکھ کے ہیں۔ اس لحاظ سے شکر کے معنی ہوں گے منعم کے ذکر سے بھر جانا۔ شکر تین قسم پر ہے' شکر قلبی یعنی نعمت کا تصور کرنا' شکر لسانی یعنی زبان سے منعم کی تعریف کرنا' شکر بالجوارح یعنی بقدرِ استحقاق نعمت کی مکافات کرنا۔ اور آیت کریمہ ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ (سبا:۱۳) ''اے داؤد کی آل! میرا شکر کرو'' میں بعض نے کہا یہاں شُکرًا منصوب علی التمیز ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو عمل کرو وہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لیے کرو اور بعض نے کہا شُکرًا اِعْمَلُوا کا مفعول ہے اور اُشْکُروا کی بجائے اِعْمَلُوا اس لیے کہا گیا ہے تاکہ شکر کی انواعِ ثلاثہ یعنی شکر قلبی ولسانی اور شکر بالجوارح کے التزام پر تنبیہ ہو جائے۔ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمٰن:۱۴) ''کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی''۔ ﴿وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ﴾ (آل عمران) ''اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) صلہ دیں گے۔''

(مفردات القرآن)

شکر — ایک بہترین خصلت

اسلام کی لغت میں کفر بہت بُرا لفظ ہے۔ اللہ کی بے شمار نعمتوں سے اغماض برتتے ہوئے سرکشی، بغاوت اور عدمِ اطاعت کا رویہ اختیار کرنا کفر ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا کافر ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ ایک بدترین خصلت ہے۔ اس کے مقابلے میں شکر ایک بہترین خصلت اور ایک اعلیٰ صفت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳﴾ (الدھر)

''ہم نے انسان کو راستہ بتادیا (اب وہ) خواہ شکرگزار (شاکر) بنے یا ناشکرا (کافر)۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۰ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۲۱﴾ (النحل)

''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک پوری اُمت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو۔ وہ مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کرلیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔''

شکر — ایمان کی جڑ اور بنیاد

دراصل شکر ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے، جس کی بدولت بندے کے دل میں نہ صرف اللہ کی قدر و منزلت پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ شریعت میں جو کچھ مطلوب ہے وہ شکر ہے، ساری عبادتیں شکر کے دائرے میں داخل ہیں، اللہ کے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی شکر کے زمرے میں آتا ہے۔ دولت مند اگر دولت اللہ کی راہ میں صَرف کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ علم اپنے علم سے دوسروں کو فیض پہنچا رہا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے، طاقتور اگر کمزوروں کی معاونت کرتا ہے تو یہ بھی قوت و طاقت کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ پوری شریعت کی پیروی کا حکم اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں دیتا ہے: ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۶﴾ (الزمر) ''بلکہ اللہ کی بندگی کر اور شکرگزاروں میں سے ہو جا۔''

حمد اور جذبۂ تشکر

جذبۂ تشکر کو گاہے ہم زبان سے ادا کرتے ہیں اور گاہے ہاتھ پاؤں سے پورا کرتے ہیں۔ زبان سے اس فرض کو ادا کرنے کا نام قرآن کی اصطلاح میں حمد ہے جس کے مطالبے

سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ قرآن کا افتتاحیہ سورۃ الفاتحہ ہے اور اس کا نچوڑ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ صاحبِ تدبر قرآن نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا: ''شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے کائنات کا رب''۔ وہ لکھتے ہیں:

''حمد کا ترجمہ عام طور پر قرآن مجید کے مترجموں نے تعریف کیا ہے لیکن میں نے اس کا ترجمہ شکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ اس ترکیب کے ساتھ استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے جس مفہوم کو ہم شکر کے لفظ سے ادا کرتے ہیں' مثلاً ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الاعراف:۴۳) ''انہوں نے کہا شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں ہدایت بخشی''۔ ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (یونس) ''اور ان کی آخری صدا یہ ہوگی کہ شکر ہے اللہ کے لیے جو عالم کا رب ہے۔'' (تدبر قرآن' جلد اول)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بھی اس آیت کا ترجمہ شکر سے کیا ہے: ''کُل شکر اور کُل ثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے''۔ جب دنیا اپنے اس نظام یا دورہ کو پوری کر چکی ہوگی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا تھا اُس وقت عالم امکان کے ہر گوشہ سے یہی سریلی آواز بلند ہوگی۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (الزمر) ''اور کہا جائے گا کہ حمد اللہ ہی کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے''۔ فرمایا: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الروم:۱۸) ''اُسی کی حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں''۔ فرشتے بھی اُسی کی حمد میں مشغول ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (المؤمن:۷) ''جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے چاروں طرف ہیں وہ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں''۔ بلکہ عرصۂ وجود کی ہر چیز اس کی حمد و تسبیح میں لگی ہوئی ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنی اسراءیل:۴۴) ''اور کوئی چیز نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کرتی ہو''۔ انسانوں سے بھی اسی حمد و تسبیح کا مطالبہ کیا جا رہا ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ (الحجر' طٰہٰ' المؤمن' الطور' الفرقان) ''اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر۔''

حضور ﷺ کی دعاؤں کا منشا: شکر

حضور نبی کریم ﷺ کے سنن اور شمائل میں ہر موقع کی مناسبت سے دعائیں موجود ہیں۔

مثلاً کھانا کھانے کی' نئے کپڑے پہننے کی' سونے اور جاگنے کی' مسجد میں جانے اور طہارت خانہ سے نکلنے کی۔ ان سب کا منشا و مقصود اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتوں کی حمد اور زبان سے شکریہ ادا کرنا ہے۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (ترمذی)

''جو شخص کھانا کھائے اور پھر یہ کہے: شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے یہ کھانا دیا اور میری اپنی تدبیر اور طاقت کے بغیر اسے میرے مقدر میں کیا' تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

بندۂ مؤمن کپڑے کو اللہ تعالیٰ کا انعام جانتا ہے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹوں' گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا' صاحب ایمان اس پر بھی اُس کا شکر بجالاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے اور جاگتے وقت بھی اپنے رب کا شکر ادا کرتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ :((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا)) وَاِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ :((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ)) (بخاری)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے کے لیے لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے اور فرماتے: اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب جاگتے تو یہ فرماتے: شکر ہے اللہ کا اُس نے ہم کو زندہ کیا موت دینے کے بعد اور ہم کو جی کر پھر اُسی کے پاس جانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو ایمان کی توفیق بخشی گویا اس نے ان پر بہت بڑا احسان کیا' ان پر لازم ہے کہ وہ اس نعمت پر اپنے رب کا شکر ادا کریں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ مُعَاوِیَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ عَلٰی حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ:((مَا اَجْلَسَكُمْ؟)) قَالُوْا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰی مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَیْنَا (مسلم)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا: (ساتھیو!) تم یہاں کیوں بیٹھے ہو (اور کیا کر رہے ہو؟) انہوں نے کہا: ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور ایمان لانے کی توفیق بخشی۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ)) (مسلم)

''مؤمن کی حالت بھی عجیب ہوتی ہے' وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے اس سے خیر اور بھلائی ہی سمیٹتا ہے' اور یہ معاملہ مؤمن کے سوا کسی اور کا نہیں ہوتا۔ اگر وہ کشادگی کی حالت میں ہوتا ہے تو شکر کرتا ہے' اور جب تنگ دستی' بیماری اور دکھ کی حالت میں ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں اس کے لیے بھلائی کا سبب بنتی ہیں۔''

انعاماتِ الٰہی کا تقاضا: شکر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو جسمانی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں کا اقتضا یہ ہے کہ ہم انہیں اللہ کے حکموں کی تعمیل میں لگائیں۔ معذوروں' اپاہجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کریں۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر مختلف انعامات کے تذکرے کے بعد شکر ادا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾﴾ (الفرقان)

''بڑا بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور اُجالا کرنے والا چاند رکھا۔ اور اُسی نے رات اور دن بنایا کہ ایک کے بعد ایک آتا ہے' اس کے واسطے جو دھیان رکھنا اور شکر کرنا چاہے۔''

اہلِ ایمان کی ذمہ داری

اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ دل سے اللہ کے احسانات کو تسلیم کریں اور اس کی ربوبیت و کبریائی اور یکتائی کا اقرار کریں۔ ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان سے ان احسانات کا جسمانی حق ادا

کریں۔ قربانی کے جانوروں کے بارے میں فرمایا: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الحج) ''تو ان جانوروں کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھا ہے یا محتاجی سے بے قرار ہے۔ اسی طرح ہم نے وہ جانور تمہارے قابو میں دیے تاکہ تم شکر کرو''۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (النحل) ''تو اللہ نے تم کو جو حلال اور پاک چیزیں روزی کیں ان کو کھاؤ اور اس کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شکر کا اثر صرف زبان تک محدود نہ ہو بلکہ عمل سے بھی اس کا اظہار ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾ (النمل:۱۹)

''اے میرے پروردگار! مجھے نصیب کر کہ میں تیرا شکر ادا کروں تیرے اس احسان پر جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا ہے اور وہ نیک کام کروں جو تجھے پسند ہوں۔''

ایک مؤمن و مسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آزمائش آتی ہے وہ دنیوی لحاظ سے یقیناً مصیبت ہوتی ہے مگر اُخروی اجر کے اعتبار سے وہ ایک نعمت ہوتی ہے۔ صبر و شکر کے اس اجتماع میں اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو مصیبت میں بھی لذت محسوس کرنے لگتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اسی کیفیت کا اظہار ایک فارسی شاعر نے یوں کیا ہے ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی!

''یہ سعادت کسی دشمن کے نصیب میں نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے قتل ہو۔ تیرے خنجر آزمانے کے لیے دوستوں ہی کا سر سلامت رہے۔''

اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے ''ہر چہ از دوست می رسد نیکو است''۔ یعنی دوست سے جو بھی مل جائے وہ بھلائی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''ہر مصیبت جو مجھ پر آئی اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے چار انعامات لائی۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق میری دنیا سے تھا دین سے نہ تھا' دوسرا یہ کہ اس مصیبت سے کوئی بڑی مصیبت بھی آ سکتی تھی مگر اللہ کے کرم سے چھوٹی

آئی' تیسرا یہ کہ میں قضاوقدر کے فیصلے پر راضی رہا اور چوتھا یہ کہ میں اس پر اجر وثواب کا امیدوار ہوں۔'' (احیاء علوم الدین' باب الشکر)

تعجب انگیز واقعہ

الرسالہ قشیریہ میں امام قشیری نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج کی ہے' سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.....﴾ کے ضمن میں ابن کثیر اور صاحب معارف القرآن نے بھی اسی آیت کے تناظر میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

''عطاء کہتے ہیں کہ میں عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے تعجب انگیز واقعہ سنایئے جو آپ نے دیکھا ہو۔ وہ رونے لگیں اور کہا کہ حضورؐ کا کون سا حال سب سے زیادہ تعجب انگیز نہ تھا۔ ایک رات وہ میرے بستر پر تشریف لائے اور فرمایا: بنت ابوبکر! مجھے اجازت دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ میں نے کہا آپ کا قُرب مجھے بہت محبوب ہے لیکن میں آپ کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔ یہ سن کر آپؐ اٹھے اور ایک مشک کے پاس جا کر اچھی طرح وضو کیا' اس کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ آنسو بہہ بہہ کر صدر مبارک تک پہنچ گئے۔ پھر آپؐ نے رکوع کیا اور روتے رہے' پھر آپؐ نے سجدہ کیا اور روتے رہے' پھر کھڑے ہوئے اور روتے رہے۔ آپؐ اسی حال میں رہے یہاں تک کہ رات ختم ہو گئی اور بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں اللہ نے بخش دی ہیں' پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ پھر یہ کہ میں کیوں نہ روؤں جبکہ مجھ پر ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .....لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ آیات نازل ہوئی ہیں''۔ (الرسالہ قشیریہ' باب الشکر)

حدیث کے آغاز میں حافظ عماد الدین ابن کثیر نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ''حضرت عطاء' حضرت ابن عمر اور حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپؓ اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ حضرت صدیقہؓ نے پوچھا: عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید نے جواب دیا: اماں جان صرف اس لیے کہ کسی شاعر کا قول ہے زُرْ غِبًّا تزدد حُبًّا یعنی کم کم آؤ تا کہ محبت بڑھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ اب ان باتوں کو چھوڑو' اُمّ المؤمنین! ہم یہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتائیں''۔ اور آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''افسوس ہے اُس شخص کے لیے جو اسے پڑھے اور اس پر غور وتدبر نہ کرے''۔ (ابن کثیر)

اقامتِ دین کا داعی اور جذبۂ شکر

اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد میں اس جذبۂ شکر کا موجود ہونا ضروری ہے' اگر یہ جذبہ بیدار ہو جائے تو دین و دنیا میں اس کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اس طرح وہ بندگی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے' وہ خدا کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے' اس کے احکام بجالاتا ہے اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے تو ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ شکر گزاری کے جذبہ کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گزاری کا معیار قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ)) یعنی جو انسانوں کا شکر ادا نہ کرے گا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہ کرے گا۔ جو لوگ اس پراگندہ' منتشر اور فساد زدہ ماحول میں دین کو زندہ کرنے اور قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھیں انہیں تو بالخصوص شکر کے توشہ سے ہر وقت سرشار رہنا چاہیے۔ یہ نہایت تاسف انگیز امر ہے کہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا ادراک نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (یونس) ''اللہ نے تو انسانوں پر بڑے بڑے فضل کیے ہیں لیکن ان میں سے بہت کم شکر کرتے ہیں''۔ قرآن نے ناشکری پر غضب کا اظہار فرمایا: ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝﴾ (عبس) ''لعنت ہو انسان پر' کیسا سخت منکرِ حق ہے!'' یعنی سراپا سپاس ہونے کے بجائے اپنے محسن کے احسانات کی ناشکری کرتا ہے اور اپنے خالق و رازق اور مالک کے مقابلہ میں باغیانہ روش اختیار کرتا ہے۔ اس کے احسانات کے اعتراف کی یہی صورت ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں اس کے بندے بن جائیں' اپنی ساری قوتیں مالک کو خوش کرنے پر لگا دیں اور گرد و پیش پھیلی ہوئی سیاہیوں کو قرآن و سنت کے انوار و تجلیات سے منور کر دیں۔

اخذ و استفادہ

(۱) تفہیم القرآن' جلد اول' دوم' ششم
(۲) مفردات القرآن' امام راغب اصفہانیؒ
(۳) تفسیر ابن کثیر' حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ
(۴) سیرت النبیؐ' جلد پنجم' از مولانا سید سلیمان ندویؒ۔
(۵) راہِ عمل' جلیل احسن ندوی
(۶) اسلامی تصوف' از سید عروج احمد قادری۔

❁❁❁

مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلانے کی اہمیت

حافظ محمد مشتاق ربانی

اسلام میں نیکی کے بارے میں صرف ترغیب دلانے اوراس کی طرف راہنمائی کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔صحیح بخاری میں حدیثِ نبویؐ ہے:

((دَلُّ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ)) (۱)

''راستہ کے بارے میں راہنمائی کرنا بھی صدقہ ہے۔''

حدیث کے یہ الفاظ تو اکثر لوگ جانتے ہیں:

((مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ)) (۲)

''جو نیکی کے کام کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے تو اُس کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔''

اسی لیے کسی کو اچھی بات بتانا صدقہ قرار دیا گیا ہے۔حدیث نبویؐ ہے:

((...... وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) (۳)

''اور اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے۔''

کسی مالدار شخص کو کسی غریب مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دینا یقیناً الکلمة الطیبة میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سے شکوہ کرتا ہے کہ ہم یتیموں اور مساکین کی دیکھ بھال نہیں کرتے یہاں تک کہ ہم اس قدر دولت کی محبت کا شکار ہیں کہ ہم دوسروں کو بھی مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾﴾ (الفجر)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب فضل من حمل متاع صاحبہ فی السفر۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء الدال علی الخیر کفاعلہ۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب من اخذ بالرکاب ونحوہ۔

''ہرگز نہیں' بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے' اور نہ تم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو' اور وراثت کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو' اور مال سے جی بھر پیار کرتے ہو۔''

مذکورہ بالا آیات میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب کے سلسلے میں لفظ ''تَحٰٓضُّوْنَ'' وارد ہوا ہے جس کے معنی ایک دوسرے کو کسی کام پر ابھارنے کے ہیں۔ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسکینوں کے معاملے میں صاحب حیثیت لوگ خود بھی ان کی خدمت کریں اور دوسروں کو بھی اس نیک کام پر اُبھاریں۔ یہ نہ ہو کہ نہ خود ان کو کچھ کھلائیں اور نہ دوسروں کو کچھ دینے کے لیے کہیں۔ یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں کہ جن سے اللہ کی رضا کی خاطر غریب لوگوں کو کھانا کھلانے کے لیے کہا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں:

﴿اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یٰسٓ)

''کیا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم تو صریح گمراہی میں ہو۔''

مسکین کو کھانا کھلانے یا کسی اور کو اس کے کھلانے کی ترغیب دلانے سے اعراض وہی شخص کر سکتا ہے جو آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝﴾ (الماعون)

''تم نے دیکھا اُس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے' اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اُکساتا۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں ''طعامُ المسکین'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اُبھارتا۔ یعنی مسکین کو جو کھانا دیا جاتا ہے یہ اُسی کا حق ہے جو کھلانے والے پر عائد ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

بان المسکین کانه مالك لما یعطی له وفیه اشارة للنهی عن الامتنان

یعنی مسکین کو بظاہر جو دیا جا رہا ہے وہ حقیقت میں اس کا مالک ہے اور یہاں احسان جتلانے سے منع کرنے کا اشارہ ہے۔ اسی لیے ایک مقام پر ارشاد ہوا:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾ (الذّٰریٰت)

''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے۔''

سورۃ الماعون کی آیات سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ انکارِ آخرت سے لوگوں میں کس قسم کی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ لوگ یتیموں کو دھکے دینا شروع ہو جاتے ہیں اور مسکینوں کا خیال رکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر یہی لوگ آخرت پر یقین رکھنے والے ہوں تو یہ معاشرے کے کمزور طبقات کا خیال رکھیں۔ جیسا کہ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کا ایک وصف یہ بیان ہوا ہے: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد) ''اور وہ ایک دوسرے کو اللہ کی مخلوق پر رحم کھانے کی نصیحت کرتے ہیں۔''

یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی نہایت اہم ہے کہ صدقہ و خیرات ظاہر کر کے دینا افضل ہے یا چھپا کر دینا زیادہ افضل ہے۔ اصولی بات تو یہی ہے کہ پوشیدہ طور پر دینا زیادہ افضل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ﴾ (البقرۃ: ۲۷۱)

''اگر تم صدقہ خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے' اور اگر تم اسے پوشیدہ طور پر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔''

لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ اس سے دوسروں کو ترغیب ملے' جیسا کہ غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا' تو اس صورت میں ظاہر کر کے صدقہ و خیرات دینا زیادہ افضل ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں متذکرہ بالا آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

فيه دلالة على ان اسرار الصدقة افضل من اظهارها' لانه ابعد عن الرياء' الا ان يترتب على الاظهار مصلحة راجحة من اقتداء الناس به' فيكون افضل من هذه الحيثية (۱)

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء و مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے' اس لیے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی فائدہ ہو' مثلاً اس لیے کہ اور لوگ بھی دیں' تو یہ صورت زیادہ فضیلت والی ہو گی۔''

جو لوگ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ان کے لیے قرآن حکیم میں بڑی سخت وعید آئی ہے کہ وہ جہنم میں زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:

(۱) ابن کثیر' تفسیر القرآن العظیم' ج ۱' ص ۴۳۱۔

﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾﴾ (الحاقة)

''(حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو' پھر اسے جہنم میں جھونک دو' پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ تو اللہ بزرگ و برتر پر ایمان رکھتا تھا' اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔''

ان آیات میں بتایا گیا کہ وہ اس لیے مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور ظاہر بات ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے سے انسان نیک کام کی جزا اور اللہ کی رضا و خوشنودی کا امیدوار ہوتا ہے۔ جب کوئی ایمان ہی نہیں رکھے گا تو اس سے نیک کام کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

اگر ہم مذکورہ بالا تمام آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر مقام پر مسکین کا لفظ آیا ہے' فقیر کا نہیں آیا ہے۔ مسکین اور فقیر میں بعض لوگ مختلف اعتبارات سے فرق کرتے ہیں۔ فقہ مالکیہ کے ہاں مسکین فقیر سے زیادہ ضرورت مند ہے' جبکہ فقہ شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک فقیر مسکین سے زیادہ محتاج ہے۔ کئی کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ ہے جو سوال کرے۔ بعض ان دونوں میں فرق کرنے کے قائل نہیں ہیں' لیکن زیادہ صحیح بات یہی دکھائی دیتی ہے کہ مسکین اور فقیر اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہو جاتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق بھی ہے۔ قرآن حکیم میں مسکین کی دیکھ بھال رکھنے کا زیادہ ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسکین فقیر سے زیادہ محتاج ہے' کیونکہ مختلف گناہوں کے کفارات کے ذیل میں بھی مسکین کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

ایسی بہت سی احادیث ہم کتب احادیث میں پڑھتے ہیں جن میں مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم ملتا ہے لیکن ایسی براہِ راست احادیث فوری طور پر نہیں مل سکیں جن میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب ملتی ہو' اگرچہ آنحضور ﷺ کا اُسوۂ حسنہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلانے پر دلالت کرتا ہے۔ البتہ چند ایسی احادیث ملتی ہیں جن کا مفہوم مساکین و فقراء کی جملہ ضروریات کا خیال رکھنے کے لیے دوسرے لوگوں سے سفارش کرنے کا پہلو نکلتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ.....)) (۱)

''اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں مصروف رہتا ہے۔''

بہرحال ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی مساکین وفقراء کو کھلائیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائیں۔ دوسروں کو ترغیب دلانا ایسا ہی ہے گویا ہم کسی اچھے کام کی سفارش کر رہے ہیں جو اجر سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا﴾ (النساء:۸۵)

''جو شخص نیک کام کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا۔''

اگر ہم اُمراء اور خوشحال لوگوں سے مساکین وفقراء کے بارے میں سفارش کریں گے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا' لیکن یہ کام کرنے سے مفت کا اجر ملتا ہے۔

❁❁❁

(۱) سنن الترمذی' کتاب الحدود عن رسول اللّٰہ ﷺ باب ما جاء فی الستر علی المسلم۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی المعونۃ للمسلم۔

بقیہ: ''عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا!''

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں
برسوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

لوگ کہتے ہیں کہ ایک بیدار انساں چل بسا — ہم یہ کہتے ہیں ہمارا رہنما جاتا رہا
جس کے نغموں نے خزاں میں پھونک دی روحِ بہار — باغ سے وہ بلبل شیریں نوا جاتا رہا
نبض ملت پہ رکھے گا کون اپنی انگلیاں — درد باقی رہ گیا' درد آشنا جاتا رہا
کس کی باتیں اب ہماری محفلیں گرمائیں گی — وعظ و تقدیر و خطابت کا مزا جاتا رہا
ہائے وہ رکعت کہ جو پوری نہ ہو کر رہ سکی — مقتدی سجدے میں تھے اور مقتدا جاتا رہا
اک مجاہد' اک قلندر' اک مسلماں اُٹھ گیا — ایک شیدائے محمدؐ مصطفیٰ جاتا رہا

(ماہر)

❁❁❁

زِندوں پر مُردوں کے حقوق

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اسلامی اخلاقیات میں اِکرامِ مسلم پر بہت زور دیا گیا ہے اور مسلمان کو مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کی صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ بیان کی گئی ہے' اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر اندیشی کا رویہ رکھے' ضرورت کے وقت اُن کی مدد کرے' رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات جوڑ کر رکھے۔ الغرض مسلمان آپس میں ایک جسم کی مانند ہوں کہ اگر جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو دوسرے اعضاء بھی اس تکلیف کو محسوس کریں۔ حدیث میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ : رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ)) (۱)

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا' بیمار کی عیادت کرنا' جنازے کے ساتھ جانا' دعوت قبول کرنا اور چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہہ کر اس کے لیے دعائے رحمت کرنا۔''

بعض دوسری احادیث میں مزید حقوق کا بھی ذکر ہے' مثلاً کسی مسلمان بھائی کی بُرائی بیان کی جا رہی ہو تو بقدرِ استطاعت اُس کی مدافعت کرنا۔ اگر کسی بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اُس کی اصلاح کے لیے اچھے انداز میں کوشش کرنا۔ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا۔ مشکل میں ہو تو مدد کرنا وغیرہم۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے' جو پیدا ہوا ہے اس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ موت کو یاد رکھے' کسی کو بیمار دیکھے تو اس کی عیادت کرے اور اس کے ساتھ حوصلہ افزائی اور ہمدردی کی باتیں کرے۔ جب اس پر موت کے آثار نظر آنے لگیں تو اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) (۲)

''تم اپنے قریب الموت (بھائیوں) کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔''

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (۳)

''جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔''

اس کے علاوہ اس کے پاس سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھا کرو۔'' (مسند احمد و سنن ابی داؤد)

جب بندہ فوت ہو جائے تو اس کی آنکھیں بند کر دینی چاہئیں اور مرنے والے کے متعلق کلماتِ خیر کہنے چاہئیں۔ بے صبری کے الفاظ اور جاہلیت کے جملے زبان سے ادا نہ کرنے چاہئیں' بلکہ مسلمان بھائی کی وفات کو اللہ کی رضا سمجھ کر اس پر صبر کا رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) (۴)

''جو کوئی (غم اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر طمانچے مارے' منہ پیٹے' گریبان پھاڑے اور اہلِ جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں)۔''

کسی عزیز رشتہ دار کی وفات پر غم اور صدمہ ہونا فطری تقاضا ہے جس کے نتیجہ میں پس ماندگان اور متعلقین کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ ایسے آنسو بے صبری کے نہیں محبت کے آنسو ہیں' اسی لیے میت پر رونے سے نہیں روکا گیا۔ موت کے صدمے کے وقت رونے سے غم کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور جذبات اعتدال پر رہتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم فوت ہو رہے تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کسی نے پوچھ لیا کہ حضور ﷺ آپ کی بھی یہ حالت؟ اس پر آپ نے فرمایا: یہ شفقت اور دردمندی ہے۔ پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ)) (۵)

''آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے' مگر زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو

(یعنی اناللہ وانا الیہ راجعون)' اے ابراہیم! تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔''

پس صدمے کے وقت غمگین ہونا' شفقت اور دردمندی کے آنسو بہانا منع نہیں ہے۔

کسی عزیز کی وفات پر چیخنا چلّانا' واویلا کرنا اور بَین کرنا منع ہے کیونکہ یہ صبر کے خلاف ہے۔ موت کے صدمے کو اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کرنا چاہیے' اس صبر پر اللہ کی طرف سے اجر کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں اپنے ایمان والے بندے کے کسی پیارے کو اٹھالوں پھر وہ ثواب کی اُمید میں صبر کرے' تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں''۔ (صحیح البخاری)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تعزیت کا خط لکھا جس میں آپؐ نے فرمایا: ''اے معاذ صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع تمہارے قیمتی اجر کو ضائع کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو۔ اور یقین رکھو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج وغم دور ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے''۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

جہاں دنیا کی زندگی میں دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اِکرام کا معاملہ کرنا ہے' وہاں اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ فوت ہونے والے کو بھی اکرام واحترام کے ساتھ اللہ کے سپرد کیا جائے۔ سب سے پہلے اُسے اچھی طرح سے غسل دیا جائے جس سے جسم کی میل کچیل اُتر جائے۔ تین دفعہ پانی بہا کر غسل دینا چاہیے اور آخری دفعہ پانی میں کافور بھی ملا لینا چاہیے جس کی خوشبو اچھی اور دیرپا ہوتی ہے۔ غسل کے بعد میت کو کفن پہنایا جائے جو سفید رنگ کا صاف ستھرا کپڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ))(۶)

''تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو' وہ تمہارے لیے اچھے کپڑے ہیں اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔''

کفن کے بارے میں آپؐ کی یہ بھی ہدایت ہے کہ وہ زیادہ قیمتی نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

((لَا تَغَالَوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُهُ سَلْبًا سَرِيْعًا))(۷)

''زیادہ بیش قیمت کفن استعمال نہ کرو' کیونکہ وہ جلدی ختم ہو جاتا ہے۔''

مردوں کو کفن تین کپڑوں میں دیا جائے جبکہ عورت کے کفن میں پانچ کپڑے ہوں۔ کفن کا کپڑا گھر والوں کی سہولت کے مطابق ہونا چاہیے۔ مجبوری کی حالت میں ایک کپڑے کا کفن

بھی ہوسکتا ہے اور پرانے کپڑے کا کفن بھی دیا جاسکتا ہے۔

کفن پہنانے کے بعد میت کو نماز جنازہ کے لیے لے جایا جاتا ہے۔ جب انسان کی وفات ہو جائے تو اسے دیر تک پاس رکھنا درست نہیں بلکہ جلد از جلد اسے آگے روانہ کر دینا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا وَاِنْ يَّكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ))(۸)

''جنازے کو تیز لے جایا کرو۔ اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لیے) خیر ہے جہاں تم اس کو جلدی پہنچا دو گے اور اگر اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہے تو ایک بُرا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے تو (تم تیز چل کر جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔''

مسلمان بھائی کے جنازے کے ساتھ جانا مسنون اور بڑے ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ))(۹)

''جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اُس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اُس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا' جس میں سے ہر قیراط گویا اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جو آدمی صرف نمازِ جنازہ پڑھ کر واپس آ جائے تو وہ ثواب کا ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔''

نماز جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔ یعنی اگر ایک محفل میں سے ایک آدمی جنازے کے ساتھ شامل ہو گیا تو وہ سب کی طرف سے کفایت کرے گا' محفل کے دوسرے لوگ گناہگار نہیں ہوں گے' مگر جنازے میں شرکت کا ثواب صرف جنازہ پڑھنے والے کو ہی ہوگا۔ جنازے کی نماز میں اللہ کی حمد و ثنا' رسول اللہ ﷺ پر درود اور میت کے علاوہ دوسرے تمام مؤمنین کے لیے دعا ہوتی ہے۔ میت کی بخشش کے لیے تہہ دل سے دعا کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ))(۱۰)

''جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لیے دعا کرو۔''

نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعائیں ہر مسلمان کو یاد ہونی چاہئیں بلکہ دوسروں کو بھی سکھانی چاہئیں۔ خاص طور پر اپنی اولاد کو تاکہ وہ جنازے کی نماز میں شامل ہو کر بڑا ثواب حاصل کریں اور میت کے لیے بخشش کی دعا کر کے اس کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ نماز جنازہ میں کثرت کے ساتھ شامل ہونا چاہیے' کیونکہ زیادہ تعداد کی دعا میت کے حق میں شرف قبولیت پائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ اِلاَّ شُفِّعُوْا فِيْهِ)) (۱۱)

''جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اللہ کے حضور اس میت کے لیے سفارش کریں تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضرور قبول ہوگی۔''

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔

نماز جنازہ میں صفوں کی تعداد طاق رکھنے کی ہدایت ہے اور کم از کم تین صفیں تو ضرور بنا لینی چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلاَّ اَوْجَبَ)) (۱۲)

''جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتے ہیں۔''

نماز جنازہ کے بعد میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔ بغلی قبر بنانا اور اسے بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں کھڑی کر دینا بہتر ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اسی طرح تیار کی گئی تھی۔ (صحیح مسلم)

قبر بالکل سادہ رکھی جائے' اس کو پختہ اور خوبصورت نہ بنایا جائے' نہ ہی اس پر عمارت کھڑی کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو چونے گچ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو روندنے اور ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی روکا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا))(۱۳)

''نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔''

قبروں پر بیٹھنے سے مراد یہ بھی ہے کہ وہاں مجاور بن کر بیٹھا جائے۔ یہ ہدایت اس لیے دی گئی کہ اُمت کو شرک کے شک وشائبہ سے بچایا جائے۔ اگر قبر کچی ہوگی' پختہ نہ ہوگی اور نہ اس پر کوئی عمارت کھڑی کی جائے گی تو وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ قبروں کو محفوظ رکھنا سنت سے ثابت نہیں۔ قبروں پر شرکیہ کام اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ ان پر بلند وبالا عمارتیں بنالی جاتی ہیں اور ان کو زیارت گاہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))(۱۴)

یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی' بیٹے یا کسی دوسرے رشتہ دار کی قبر نہ پختہ بنائی' نہ اُس پر عمارت بنائی اور نہ ہی اس پر کتبہ لگایا اور نہ کسی کو مجاور بنا کر بٹھایا۔ پس آپ ﷺ کا طریقہ ہی صحیح اور قابل تقلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام اور اُمت کے اہلِ علم متقین اور صالحین میں سے کسی نے یہ وصیت نہیں کی کہ اس کی قبر کو پختہ کر کے اس پر عمارت کھڑی کر دی جائے تاکہ وہ مرجع خلائق بن جائے' لوگ وہاں عُرس اور میلے کی تقریب منعقد کیا کریں۔ بزرگوں کی قبروں پر خوبصورت قبے اور عمارتیں بعد کے لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشات اور مفادات کے لیے (رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو نظر انداز کرتے ہوئے) بنائیں۔

اسی طرح یہ بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزیز واقارب کی قبروں پر ہر سال مٹی ڈالی ہو اور انہیں قائم رکھنے کی کوشش کی ہو۔ پس فوت شدگان کا یہ حق ہے کہ اُن کی تدفین مسنون طریقے کے مطابق کی جائے۔ اگر زندہ لوگ یہ فرض ادا نہیں کرتے تو قبر والے کا اس میں کوئی قصور نہیں' غیر مسنون کام کرنے والے ہی عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک سادہ اور کچی بنائی گئی تھی جو پانچ سو سال تک ویسی ہی رہی۔ بعد ازاں ناگزیر ضرورت کی بنا پر اُس پر گنبد تعمیر کر دیا گیا۔

قبر کی پہچان کے لیے اس کے سرہانے کوئی بھاری پتھر رکھ دینا جائز ہے۔ (ابن ماجہ' ابوداؤد)

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد میت کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرنا مستحب ہے

اور رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ)) (۱۵)

''رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفنانے سے فارغ ہوتے' تو قبر کے پاس ٹھہر کر فرماتے کہ تم اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔''

قبرستان میں جانا اور وہاں اہلِ قبور کے لیے بخشش کی دعا کرنا مسنون ہے۔ شروع شروع میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو زیارتِ قبور سے روک دیا تھا۔ (یہ غالباً اس لیے تھا کہ لوگوں کو شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ لوگ قبرستان میں جا کر شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جائیں گے۔ بعد ازاں جب لوگوں کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا تو) پھر آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ)) (۱۶)

''میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے روکا تھا' اب تمہیں اس کی اجازت ہے۔ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہلِ قبور پر اس طرح سلام پڑھیں اور ان کے لیے دعا کریں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ أَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ)) (۱۷)

''سلام ہو تم پر اے گھر والو! مؤمنوں میں سے اور مسلموں میں سے! اور ان شاء اللہ ہم تم سے آ کر ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔''

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا نامۂ اعمال بند ہو جاتا ہے' اس لیے کہ دنیا کی زندگی اچھے بُرے اعمال کرنے کی مہلت ہے' جب انسان دار العمل سے کوچ کر گیا تو اب وہ کوئی نیک یا برا عمل نہیں کر سکتا۔ گویا عمل کرنے کے اعتبار سے وہ انتہائی بے بس ہو جاتا ہے۔ اس بے بسی کی حالت میں اگر زندہ لوگ اس کو ایسے اعمال کا تحفہ بھیجیں جو اس کے کام آ سکے تو یہ تحفہ اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بخشش کی دعا بہترین تحفہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ''قبر میں مدفون مُردے کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لیے چیخ و پکار کر رہا ہو۔ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں باپ یا بہن بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت اور مغفرت کا تحفہ پہنچے۔ جب کسی کی طرف سے اسے دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز اور محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مُردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جا سکتی ہے اور یقیناً مُردوں کے لیے زندوں کا خاص ہدیہ دعائے مغفرت ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

وفات کے بعد جب عالم آخرت سے واسطہ پڑتا ہے تو گناہوں کی بخشش سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں زندوں کا فوت شدگان کے لیے بخشش کی دعا کرنا خود زندوں کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لیے ہر مؤمن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

خود رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ ایمان مَردوں اور عورتوں کے لیے بخشش مانگیں: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (محمد:19) پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ والدین کے لیے مغفرت طلب کرے اور اس ضمن میں دعائے مغفرت کے الفاظ بھی تعلیم فرمائے: ﴿قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (بنی اسراءیل)

اسی طرح فوت شدگان کی طرف سے صدقہ، خیرات اور قربانی جیسے اعمال کر کے ان کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا ان کی عدم موجودگی میں انتقال ہو گیا۔ جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا انہیں کوئی نفع پہنچے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں، پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا آپؐ گواہ رہیں، میں نے اپنا باغ ان کی طرف سے صدقہ کیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی۔ میرا خیال ہے اگر اسے بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کی وصیت کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو اس کا اجر اس کو ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: بے شک (صحیحین)

فوت شدگان کے لیے بخشش مانگنا' ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنا اور قربانی دینا تو درست ہے' مگر قرآن خوانی اور نوافل کا ایصالِ ثواب سنت سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن خوانی کی محافل منعقد نہیں کیں۔ اس قسم کی چیزیں دین میں خود ساختہ اضافہ ہیں جن کی کوئی سند موجود نہیں۔ زندوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے فوت شدہ عزیزوں کے حق میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات اور قربانی کریں۔ یہ وہ مستند عمل ہیں جن کے کرنے سے فوت شدگان کو بے حساب نفع پہنچتا ہے اور ایصالِ ثواب کرنے والا بھی نیکیاں حاصل کرتا ہے۔

والدین کے حقوق اولاد پر بہت ہیں کہ وہ والدین کی خدمت کریں' بڑھاپے میں ان کا سہارا بنیں' ان کی ضروریات کا خیال رکھیں' انہیں کسی طرح ناراض نہ کریں۔ اگر والدین وفات پا جائیں تو بھی اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے احسان فراموش نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے رہیں۔ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے لیے کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے چاہئیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں' اُن کے لیے خیر ورحمت کی دعا کرتے رہنا' اُن کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا' اُن کا اگر کوئی عہد ومعاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا' اُن کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا' اور ان کے دوستوں کا اکرام واحترام کرنا''۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچائے تو اُسے چاہیے کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔'' ماں باپ کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا جہاں ماں باپ کے لیے فائدہ مند ہے وہاں اولاد کے لیے بھی سعادت مندی' خوش بختی اور خطاؤں اور نافرمانیوں کی بخشش کا سبب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے' لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل سے) اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر ورحمت کی دعا اور مغفرت وبخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرماں بردار قرار دے دیتا ہے''۔ (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی

کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

پس فوت شدگان کا حق ہے کہ زندہ لوگ ان کے حق میں ہمہ وقت دعائے مغفرت کرتے رہیں اور مالی عبادات کے ذریعے ان کو ایصالِ ثواب کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں خود ساختہ طریقوں اور بدعات سے اجتناب کریں۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب الامر باتباع الجنائز۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الجنائز عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی تلقین المریض عند الموت۔

(۳) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی التلقین۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب لیس منا من ضرب الخدود۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب قول النبی ﷺ انا بك لمحزونون۔ وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمة الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذٰلك۔

(٦) سنن ابی داوٗد' کتاب الطب' باب فی الامر بالکحل۔ وسنن الترمذی' کتاب الجنائز عن رسول اللہ ﷺ باب ما یستحب من الاکفان۔

(۷) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب کراهیة المغالاة فی الکفن۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب السرعة بالجنازة۔وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب الاسراع بالجنازة۔

(۹) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب اتباع الجنائز من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها۔

(۱۰) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب الدعاء للمیت۔ وسنن ابن ماجه' کتاب ما جاء فی الجنائز' باب ما جاء فی الدعاء فی الصلاة علی الجنازة۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب من صلی علیه مائة شفعوا فیه۔

(۱۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب فی الصفوف علی الجنازة۔

(۱۳) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلاة علیه۔

(۱٤) صحیح البخاری' کتاب الصلاة' باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجدا۔ وصحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاة ' باب النهی عن بناء المساجد علی القبور.....

(۱٥) سنن ابی داوٗد' کتاب الجنائز' باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف۔

(۱٦) سنن ابن ماجه' کتاب ما جاء فی الجنائز' باب ما جاء فی زیارة القبور۔

(۱۷) صحیح مسلم' کتاب الجنائز' باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها۔OO

امام ابن جوزیؒ

عبدالرشید عراقی

امام عبدالرحمٰن بن علی جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے یکتائے روزگار مفسر، محدث، مؤرخ، فقیہ، متکلم، ناقد، خطیب اور مصنف تھے۔ تمام علومِ اسلامیہ میں ان کا تبحرِ علمی مسلّم تھا اور یہ تبحرِ علمی ان کے ذوقِ مطالعہ کی وجہ سے تھا۔ ان کا تمام وقت مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا۔

علامہ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

> ''امام ابن جوزی تصنیف و تالیف کے وقت قلموں کے کترے اور برادہ ایک کمرے میں جمع کرتے رہتے تھے اور انہوں نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے ورثاء کو یہ وصیت کی کہ میرے غسل کا پانی ان کتروں اور برادہ سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ان کے ورثاء نے ان کی وصیت پر عمل کیا۔ قلموں کے کترے اور برادہ اتنا تھا کہ غسل کا پانی گرم ہو گیا اور کترے اور برادہ باقی بھی بچ رہا۔''(۱)

اپنے تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ ابن جوزی تقویٰ و طہارت، زہد و ورع اور ذوقِ عبادت میں بھی بلند مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ بڑے قانع، ملنسار اور فیاض تھے۔ کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی کبھی غیبت کی۔ کبھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی۔ اس کے ساتھ آپ بڑے خوش اخلاق، خوش پوشاک، خوش خوراک اور نفیس طبع بھی تھے۔ بڑے سخی اور فراخ دست بھی تھے۔

جامع الکمالات ہونے کے ساتھ بڑے عالی ہمت اور حق گو و بے باک بھی تھے۔ خلافِ سنت امور پر اعلانیہ تنقید کرتے تھے۔ بہت بڑے خطیب بھی تھے۔ ان کا وعظ بڑا مؤثر ہوتا تھا اور ان کے وعظ میں لوگوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ سلاطین اور امراء بھی ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے وعظ میں عموماً دس پندرہ ہزار لوگ شریک ہوتے تھے۔ ان کے وعظ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ زار و قطار روتے تھے۔ بدعات و محدثات کا بڑی سختی سے رد کرتے تھے۔ ان کے وعظ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار یہودی ان کے ہاتھ پر

مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ آدمیوں نے خلافِ سنت اُمور سے توبہ کی۔

تصنیف وتالیف

امام ابن جوزی نوعمری ہی میں تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ تمام علوم اسلامیہ میں ان کو تبحرِ علمی حاصل تھا۔اس لیے آپ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔حدیثِ نبوی ﷺ پر آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

کتاب الموضوعات :اس کتاب میں آپ نے موضوع احادیث جمع کی ہیں جن سے اس زمانہ کے اہل ہوئی یا ضعیف العلم عالم استدلال کرتے تھے جو لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتی تھیں۔

امام ابن جوزی نے یہ کتاب تصنیف کر کے ایک بہت بڑی علمی خدمت انجام دی۔

تلبیس ابلیس: امام ابن جوزی کی یہ مشہور کتاب ہے۔جتنی مقبولیت اس کتاب کو حاصل ہوئی ہے وہ کسی دوسری کتاب کو نہیں ہوئی۔اس کتاب میں آپ نے پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے اور مسلمانوں کی کمزوریوں' غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کا نوٹس لیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح شیطان نے اس امت کو دھوکہ دیا ہے اور کن کن راہوں سے ان کے عقائد واعمال اور اخلاق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔

امام ابن جوزی نے اس کتاب میں علماء' محدثین' فقہاء' واعظین' شعراء' سلاطین' صوفیاء' اہل دین اور عوام وخواص کی علیحدہ علیحدہ کمزوریوں' بے اعتدالیوں اور غلط رسومات کی نشاندہی کی ہے۔یہ کتاب ابن جوزی کے تبحرِ علمی' وسعتِ مطالعہ اور ذوقِ تحقیق کا نمونہ ہے۔اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور عوام وخواص میں بہت مقبول ہے۔

صید الخاطر :یہ کتاب ایک کشکول ہے' جس میں آپ نے اپنے قلبی تأثرات' زندگی کے تجربات اور منتشر افکار وحوادث قلمبند کیے ہیں۔مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت صداقت اور سادگی و بے تکلفی ہے۔پوری کتاب اپنے زمانہ کے ادباء ومصنفین کے طرز کے خلاف نہایت رواں و بے تکلف عبارت میں لکھی گئی ہے اور اپنے موضوع پر غالباً ایک عرب عالم مصنف کی پہلی کتاب ہے۔'' (۲)

سیر وسوانح :سیر وسوانح پر امام ابن جوزی نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان مستقل تذکروں کے علاوہ ایک جامع تذکرہ ''صفوۃ الصفوۃ'' کے نام سے چار جلدوں میں لکھا۔ امام صاحب کی یہ کتاب بڑی مشہور و معروف ہے۔ علمائے اسلام نے اس کتاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ کتاب دراصل امام ابونعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ) کی مشہور کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' کی تہذیب و تنقیح ہے جس کو آپ نے مناسب حذف و اضافہ اور تلخیص کے ساتھ محدثانہ و مؤرخانہ طرز پر مرتب کیا ہے۔

تاریخ: امام ابن جوزی علوم دینیہ میں جامع الکمالات تھے۔ حدیث اور فقہ میں ان کا تبحر علمی مسلم تھا لیکن فن تاریخ میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ آپ جہاں ایک بہت بڑے مفسر، محدث اور فقیہ تھے وہاں آپ ایک بلند مرتبہ مؤرخ بھی تھے۔

تاریخ میں آپ کی مشہور کتاب ''المنتظم فی تاریخ الملوك والامم'' ہے جو دس جلدوں میں ہے۔ اس میں آپ نے ابتدائے اسلام سے لے کر ۵۷۴ھ تک کے حالات قلمبند کیے ہیں۔

تاریخ پر آپ کی ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام ہے: تنقیح فهوم اهل الاثر فی عیون التاریخ والسیر ۔ یہ کتاب ایک تاریخی بیاض کی حیثیت رکھتی ہے جس میں بہت سی مفید تاریخی معلومات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

ولادت و وفات

امام ابن جوزی ۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ بغداد کے اساطینِ فن سے علم کی تحصیل کی اور ۵۹۷ھ میں ۸۹ برس کی عمر میں بغداد ہی میں انتقال کیا۔(۳)

حواشی

(۱) تاریخ ابن خلکان، ج۳، ص ۳۲۱۔

(۲) تاریخ دعوت و عزیمت، ج۱، ص ۲۴۰۔

(۳) ایضاً، ص ۲۵۱۔

وہ اس جنگ سے علیحدہ نہ ہوئے تو عوام اُنہیں اقتدار کے ایوانوں سے باہر گھسیٹ لائیں گے۔ اگر عوام نے زبردست جدّوجہد کر کے اپنا یہ فریضہ ادا نہ کیا تو یہ دوست نما دشمن افغانستان اور عراق کے مسلمانوں کی طرح ایک دن پاکستان کے مسلمانوں کو بھی بری طرح کچل دے گا۔ وہ قبائلی مسلمانوں کو تہ تیغ کر رہا ہے اور اب جنوبی پنجاب کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔ ہمیں اُسے ہر قیمت پر روکنا ہوگا' وگرنہ ہماری جان و مال اور عزت کا یہ دشمن پاکستان کے ایک کے بعد دوسرے شہر کو روندتا ہوا مملکتِ خداداد پاکستان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کی اس ''دوستی'' پر مرزا غالب کا یہ شعر صادق آتا ہے: ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو!

دعوتی و تحریکی مجلّہ سہ ماہی ''ایقاظ'' کا خصوصی شمارہ برائے جولائی ۲۰۱۰ء

شمارے کا خاص موضوع:

اسلامی تحریکوں کے لیے معاشرے میں ''تبدیلی بذریعہ تعلیم'' کے عمل میں درپیش اصل چیلنج

اہم مضامین:

☆ (اداریہ) معاشرہ اسلامی تحریکوں کا منتظر ہے.....
☆ راستے جو ''عقیدہ'' سے پھوٹیں اور ''معاشروں'' سے گزریں!.....
☆ حالیہ مرحلہ میں تحریکوں کا سماجی کردار.....
☆ ''تعلیم'' میں اسلام کے احیائی عمل کو درپیش چیلنج
☆ جاہلی تعلیمی اداروں میں ''سیرت'' اور ''تاریخ اسلام'' کا مضمون!
☆ تعلیمی ادارے..... قتل گاہیں!
☆ ''ہمارے'' نظامِ تعلیم کی بنیادیں اور اُس میں اِسلامیات کی ''گنجائش''
☆ احیائے اُمت میں نظامِ تعلیم کا کردار
☆ فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق

مزید موضوعات پر مختلف اہم مضامین، احوال و تعلیقات

برائے رابطہ: matbooateeqaz@gmail.com 0323-4031624,0321-4728052

روح افزا اور کیا چاہیے!
Blitz DDB

July 2010
Regd CPL No. 115
Vol.59
No.7

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی و عصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کُلّیۃ القرآن (قرآن کالج)

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

بورڈ/یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ درسِ نظامی کا مکمل نصاب

قیام و طعام کی سہولت موجود ہے

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

خصوصیات

- ☆ تجربہ کار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین
- ☆ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری و عملی رہنمائی
- ☆ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام
- ☆ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بہترین مواقع
- ☆ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
- ☆ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
- ☆ خوبصورت عمارت اور کلاس روم
- ☆ کمپیوٹر لیب ☆ بہترین اور مکمل لائبریری
- ☆ کانفرنس اور مذاکرہ ہال
- ☆ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
- ☆ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
- ☆ خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق
- ☆ طلبہ کی تدریسی ضروریات پوری کرنے میں معاونت
- ☆ وقت کا مؤثر استعمال
- ☆ مواقع تفریح کی فراہمی

شرائط داخلہ

- ☆ درجہ اولیٰ کے لیے متوسطہ یا مڈل پاس، ثانیہ کے لیے نہم اور اولیٰ پاس اور ثالثہ کے لیے وفاق المدارس سے عامہ اور بورڈ سے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔
- ☆ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
- ☆ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا سابقہ مدرسے سے تصدیق نامہ
- ☆ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
- ☆ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

مقامی و دیگر شہروں کے طلبہ کے لیے درجہ اولیٰ و ثانیہ (میٹرک) اور ثالثہ میں نئے تعلیمی سال کے داخلے جاری ہیں

معلومات داخلہ

- ☆ نئے سال کے لیے داخلے کے خواہش مند طلبہ 16 جولائی سے کلیۃ القرآن آفس سے داخلہ فارم اور انٹری ٹیسٹ کے لیے سلیبس حاصل کر سکتے ہیں۔
- ☆ داخلہ کے لیے انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس کرنا لازمی ہے۔ 20 ستمبر کو انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو ہوگا۔
- ☆ مزید معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن یا ناظم شعبہ انقلاب قرآن اکیڈمی لاہور سے رابطہ کریں۔

دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:

- کراچی: قرآن اکیڈمی، 55-DM، درخشاں، خیابانِ راحت، فیز 6 ڈیفنس کراچی۔ فون: (021)5340022-3
- پشاور: 16-A ناصر مینشن، شعبہ بازار، ریلوے روڈ نمبر 2۔ فون: (091) 2214495
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 25-A آفیسرز کالونی۔ فون و فیکس: (061)6520451
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: (041)8520869
- اسلام آباد: 31/1 فیصل آباد سنگ سکیم 1-8/4۔ فون: (051)4434438

ہمارے رابطہ

ناظم اعلیٰ **کُلّیۃ القرآن** (قرآن کالج) 191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ فون: (042)35860024-35833637

ذیلی دفتر: **قرآن اکیڈمی** 36-K ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: (042)35869501-3 فیکس (042)35834000 ای میل: lrts@tanzeem.org